

کتاب

نگار

بک ایجنسی
کھنؤ

تصانیف نیاز فختوری

نگار

بک ایجنسی
کھنؤ

نگارستان

حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبول حاصل کیا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ اس اڈیشن میں متعدد افسانے و ادبی مقالات ایسے اضافہ کئے گئے ہیں جو پہلے اڈیشنوں میں نہ تھے اس لئے ضخامت بھی زیادہ ہے قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

جمالتان

ادبی نگار کے افسانوں اور مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں حسن زبان قدرت اور پاکیزگی خیال کے بہترین شاہکار کے علاوہ بہت سے اجتماعی و معاشری مسائل کا حل بھی آپ کو اس مجموعہ میں نظر آئے گا۔ ہر افسانہ اور ہر مقالہ اپنی جگہ معجزہ ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اڈیشن میں متعدد افسانے اضافہ کئے گئے ہیں جو پہلے اڈیشنوں میں نہ تھے۔ قیمت چار روپیہ علاوہ محصول

حسن کی عیاریاں

اور دوسرے افسانے حضرت نیاز کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ جس میں تاریخ اور انشاء لطیف بہترین امتزاج آپ کو نظر آئے گا اور ان افسانوں کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو گا کہ تاریخ کے بھولے ہوئے اوراق میں کتنی دلکش حقیقتیں پوشیدہ تھیں جنہیں حضرت نیاز کی انشاء نے اور زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

مکتوبات نیاز حصہ اول

ادبی نگار کے تمام خط و کتابت اور سلاست بیانیہ نگین اور ایسے پن کے لحاظ سے فن انشاء بالکل پہلی چیز ہیں اور جن کے سامنے خطوط غالب بھی پھیلے معاد ہوتے ہیں، اس اڈیشن میں پہلے اڈیشن کی غلطیوں کو دور کر دیا گیا ہے اور ۲۶ پونڈ کاغذ پر طباعت ہوا ہے۔ قیمت تین روپیہ علاوہ محصول

مکتوبات نیاز (حصہ دوم)

یہ حصہ پہلے حصہ سے زیادہ ضخیم ہے اور اس میں اکثر مکاتیب نقادی حیثیت رکھتے ہیں وہ حضرات جنہیں شعور شاعری سے دلچسپی ہو ان مکاتیب میں ہر جگہ عجیب و غریب نکات شعری نظر آئیں گے اور نگار کی تحریر اور اسلوب ادا کی دلکشی کا ذکر ضرور ہو گا۔ یہ اڈیشن نہایت صحیح اور خوش خط ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عظیم الشان اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے اس کی زبان و تخیل اسکی نزاکت بیان اس کی پابندی مضمون اور اس کی انشاء عالیہ بحر حلال کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ یہ اڈیشن نہایت صحیح اور خوش خط ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول

ترغیبات حسنی (یا)

شہوانیات مجلد اس کتاب میں فحاشی کی تمام فطری اور غیر فطری قسموں کے حالات انکی تاریخی و نفسی اہمیت پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ حقائق بتا دیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فحاشی دنیا میں کہاں کہاں سے رائج ہوئی نہایت مزاحیہ عالم نے اسکے رواج میں کتنی مدد کی اس کتاب میں آپ کو حیرت انگیز واقعات نظر آئیں گے۔ یہ اڈیشن قیمت چار روپیہ علاوہ محصول

مجموعہ استفسار و جواب

ان تینوں جلدوں میں ۲۲۷ سوالوں کے استفسار و جواب شائع کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کی اہمیت کا اظہار بیکار ہے کیونکہ نگار کو جو خصوصیت اس باب میں حاصل ہو وہ کسی نے مخفی نہیں ان تینوں جلدوں میں سیکڑوں سوالوں کی تاریخی و تنقیدی مسائل شامل ہیں اسکی حیثیت ایک مختصر سی سائیکلو پیڈیا کی قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

جملہ حقوق نقل و اقتباس، اخذ و التقاط

بہ حق نگار بک انجینی محفوظ ہیں

ماجدوین

حکیم رشید احمد مختصم بریلوی

نیاز فحشپوری

ترجمہ :

صلاح و ترمیم :

”ماجدولین“ یا ”زیر سایہ زیر فون“ فرانس کے
بیشال ادیب ”الفونس کار“ کا ایک شاہکار ہے جسے
مصر کے ادیب شہیر ”مصطفیٰ لطفی المنفلوطی“ نے
عربی دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہی
عربی ترجمہ اس اردو ترجمہ کا ماخذ ہے۔

ماجدولین کی طرف سے سوزان کے نام

خواہ تم میرے اس خط کو پڑھو یا سچاڑ کر بھینک دو، اس میں تمہیں ایسی کوئی چیز نہ ملے گی جو تمہاری توجہ اپنی طرف جذب کر سکے یا تمہاری معلومات میں کسی اضافہ کا باعث ہو۔

میں تمہیں کوئی نئی خبر سناؤں بجز اس کے کہ موسم گل کے آتے ہی پیڑوں نے منہس منہس کر پھولوں سے جھولیاں بھری ہیں اور نسیم بہار اس وقت بھی جبکہ میں تمہیں اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی یہ خط لکھ رہی ہوں، بنفشہ اور یاسمن کی خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی آتی ہے اور میرے دل و دماغ کو معطر کر رہی ہے۔

ہر چند مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ میرے نزدیک ان باتوں کا کوئی مفہوم ہے تاہم میں تمہیں ایک خبر سناتی ہوں۔ ہمارے مکان کے بالا خانہ پر جو کمرہ خالی تھا، حال ہی میں اسٹیفن نامی ایک نوجوان اُس میں آکر ٹھہرا ہے۔ اُس کی وحشت اور اُس کے انقباض کا عجیب عالم ہے اگر تم اسے دیکھو تو خیال کرو کہ وہ کوئی بڑا ہی بد نصیب اور مصیبت زدہ شخص ہے۔

وہ روز صبح کو اپنے ہاتھ میں ایک کتاب لئے ہوئے بالا خانہ سے اتر کر باغ میں آتا ہے، کتاب کھول کر بیٹھ جاتا ہے اور جس راہ پر اس کی نگاہ جا پڑتی ہے اسی پر اپنی نگاہیں جمالیتا ہے اور میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ زمین ہی کو تکتا رہتا ہے گو دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ وہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے سامنے سے مجھے گزرتا ہوا دیکھتا ہے تو سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگتا ہے، ایک مختصر سا سلام کرتا ہے اور پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر یا تو درختوں میں غائب ہو جاتا ہے یا اپنے بالا خانہ پر چڑھ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میرے اور اسکے درمیان آج تک کسی قسم کا کوئی ربط پیدا نہیں ہو سکا اور نہ شاید آئندہ ہو سکے، کیونکہ نہ میں اس بات کی متنی ہوں اور نہ غالباً وہ اس کا خواہشمند ہے۔

بہت ممکن ہے تم بھی مجھے وہی سوال کرنے لگو جو عام طور سے عورتیں اس موقع پر کیا کرتی ہیں، تو میں تمہیں بتا لے دیتی ہوں کہ یہ نوجوان کچھ خوبصورت نہیں ہے اور نہ اپنے اندر کوئی خاص کشش رکھتا ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ اس کے چہرہ میں ایک طرح کی خشونت و سختی ہے جو دیکھنے والے کی نظر کو متنفر کر سکتی ہے، لیکن ہاں اس میں ایک خوبی بھی ہے۔ ایک رات جبکہ میرے کمرہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، میں نے اسے بہت ہی رُ در دلچہ میں گاتے ہوئے سنا، ہو سکتا ہے کہ اس کا گانا اصول موسیقی پر پورا

نہ اُترتا ہو اور ماسہرین فن کی نگاہوں میں پسندیدہ نہ ہو، تاہم وہ ایک غم نصیب دل اور ایک مجروح سینہ کو تڑپا دینے والا ضرور تھا۔

میرے والد کو کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا ہے، کہتے تھے کہ وہ بڑا ہوشیار نوجوان ہے۔ اے سوزان میرا خیال ہے کہ میں ایک غیر متعلق شخص کا ذکر چھیڑ کر جس کا مجھ سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً تمہارے لئے باعث کلفت ہوئی ہوں گی، لیکن تم مجھ پر ناراض نہ ہونا کیونکہ ایک لڑکی جو چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہو، تصویروں اور بتوں کی طرح خاموش زندگی گزارتی ہو، جس کے صبح و شام اور رات دن میں کوئی فرق نہ ہو، اور جہاں سورج نہ کبھی کسی نئی چیز پر نکلتا ہو اور نہ کسی عجیب چیز پر ڈوبتا ہو، اس کے علاوہ لکھ بھی کیا سکتی ہے۔



”ماجد ولین کا خط سوزان کے نام“

موسم کتنا خوشگوار اور آسمان کس قدر شفاف ہے، زمین گل بوٹے کھلا رہی ہے، درختوں نے ہرے ہرے چمکدار پتے نکھر رہے ہیں اور ہلکی ہلکی ہوائیں جسم سے مس ہو کر عجیب پر لطف کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ لیکن یہ تمام چیزیں میرے لئے بے حقیقت ہیں اور میری زندگی پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

میں محسوس کرتی ہوں کہ میری زندگی بالکل تاریک ہے اور یہ دنیا اپنی وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود میرے لئے گوشہ قبر سے زیادہ نہیں، میں نہیں کہہ سکتی کہ دنیا کدھر جا رہی ہے۔ جو کچھ میں دیکھتی ہوں سمجھ نہیں سکتی اور جو سمجھتی ہوں وہ بیان نہیں کر سکتی۔ کچھ عجیب وحشت ہے، عجیب بچپنی ہے، کسی پہلو آرام نہیں، جب گھر سے گھبرا جاتی ہوں تو باغ میں نکل جاتی ہوں اور جب وہاں بھی چین نہیں ملتا تو پھر گھر میں چلی آتی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے میں کسی چیز کو ڈھونڈ رہی ہوں اور پتہ تو یہ ہے کہ میں اپنی ہی گمشدہ روح کی تلاش میں ہوں لیکن نہیں پاتی، پس جب تھک جاتی ہوں تو زیر فون کے درختوں کے سائے میں ذرا دم لینے کے لئے بیٹھ جاتی ہوں اور جوں ہی میری نگاہ کسی ایسے پھول پر پڑتی ہے جو مجھے زیادہ محبوب ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا میں آہستہ آہستہ اس مادی دنیا سے کسی خیالی مگر خوبصورت دنیا کی طرف منتقل ہو رہی ہوں اور ایک ایسے بلند پرواز طائر کی طرح جو بادلوں کی وسعتوں میں اڑا چلا جا رہا ہو، اس خیالی دنیا میں معروف پرواز ہو جاتی ہوں اور گھنٹوں اسی حالت میں کھوئی رہتی ہوں اور جب تک کہ کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر نہیں پڑتی مجھے اپنی اس کیفیت کا احساس بھی نہیں ہوتا اور جب مجھے ہوش آتا ہے تو دیکھتی

ہوں کہ میری نگاہ اُسی پھول پر جمی ہوئی ہے جس پر پڑی تھی۔

کہتے ہیں کہ موسم بہار محبت کا زمانہ ہے، جس میں عشق و محبت کے سوئے ہوئے جذبات جاگ اُٹھتے ہیں، رحوں سے روصیں مانوس ہو جاتی ہیں اور دلوں سے دل قریب آ جاتے ہیں۔ سبزہ زار اور باغِ بخت قسم کے پرندوں سے بھر جاتے ہیں۔ جو درختوں اور پھولوں کی شاخوں پر بیٹھ کر چہچہانے لگتے ہیں، لوگ ٹولیاں بنا بنا کر نکلتے ہیں اور درختوں کے نیچے گامشت کرتے ہیں، لیکن اسے سوزانِ مجھے تو ان میں سے ایک چیز بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ میرے نزدیک تو زندگی کی بہترین ساعت وہ ہے جب میں خود اپنے آپ سے ہمکلام ہوں، اپنے ہی دل سے اپنی غم آلود سرگوشیوں میں مصروف ہوں اور دوسرا شخص کوئی نہ ہو۔ میں خود ہی رو رہا ہوں اپنے آتشکدہ دل کو ٹھنڈا کروں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کیوں اور کس لئے روتی ہوں۔ غم و اندوہ کی جو چنگاریاں میرے سینہ میں سلگ رہی ہیں معلوم نہیں کس انگارے سے پیدا ہوئی ہیں۔ مجھے اپنی یہ حالت دیکھ کر بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ شاید میں پاگل ہوں اور میرا خوف و اضطراب روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اپنے رنج و غم کے اسباب معلوم ہوں، کیونکہ ان کے پاس زندگی کے لئے کم از کم ایک سہارا تو ہے، وہ کوئی آرزو تو رکھتے ہیں، جس کی روشنی سے وہ اپنے مستقبل کو روشن کر سکیں۔ لیکن کس قدر بد قسمت اور کم نصیب ہوں میں کہ مجھے نہ اپنا درد معلوم ہے اور نہ اس کی دوا۔

یہ تو تمام اسبابِ راحت میرے لئے مہیا ہیں۔ اور میرے والد کی سب سے بڑی خوشی یہی ہے کہ وہ مجھے خوش نصیب اور مندستا ہوا دیکھیں اور انکے لئے اس دنیا میں اس سے زیادہ دلچسپ کن بات کوئی نہیں کہ وہ مجھے مسکراتا اور اپنے باغ کے پھولوں کو کھلتا ہوا دیکھیں، بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ میری ناز برداری اور دلجوئی نے انہیں پھولوں جیسی عزیز چیز سے بھی بے نیاز بنا دیا پھر میری انتہائی ناشکر گزاری اور ناسپاسی ہوگی اگر اس تمام سامانِ راحت کے ہوتے ہوئے صرف شکایت زبان پر لاؤں لیکن معلوم نہیں وہ کونسی غلطی ہے جو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اور وہ کیسا درد ہے جو ہر وقت بمقرر رکھتا ہے۔

اسے سوزانِ مجھے وہ دن اب بھی یاد ہیں جو ہم نے تم نے ایک ساتھ گزارے تھے اور اس مبارک زمانہ کی یاد ابھی تک تازہ ہے جس کی فضاؤں میں ہم امیدوں اور آرزوؤں کے پر لگا کر اڑا کرتے تھے۔ آج میں ان پر روتی اور ماتم کرتی ہوں اور ان کی واپسی کی اسی طرح مشتاق و متمنی ہوں جس طرح خشک سالی کے بعد بارش کی اور رات کی تاریکی کے بعد طلوعِ فجر کی تنہا کی جاتی ہے، کاش میری اس رات کے بعد

پھر وہی صبح طلوع ہوتی اور امید کے افق سے کچھ بادل اُٹھ کر میرے ارمانوں کی خشک کھیتی پر برس پڑتے۔

ایڈورڈ کا خط اسٹیفن کے نام

اب مجھے معلوم ہوا کہ تمہیں نہ مجھ پر اطمینان ہے نہ بھروسہ، اور تم مجھے بھی اسی نظر سے دیکھتے ہو جس سے اپنے ان عزیزوں کو جسے تمہارے کشتی اختیار کی، تم نے مجھ سے وہ بات چھپائی جس کی مجھے امید تھی کہ تم خود بیان کر دو گے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا کہ تمہارا مقصد اس سفر سے کیا ہے؟

اے اسٹیفن، ہم دونوں ایک ہی مٹی سے ایک ہی آسمان کے نیچے پیدا ہوئے، ایک ہی فضا اور ایک ہی ماحول میں پلے اور بڑھے۔ لیکن پھر اس طرح جدا ہوئے جیسے ایک مٹی سے دو درخت اپنی شکل و صورت اور پھل پھول میں مختلف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تم مجھے بھاگتے اور دور رہتے ہو اور میں زندگی کے راستوں میں جس راستے پر چلتا ہوں تم اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کرتے ہو۔

میں جس زندگی کو مبارک اور جس سکون کو سکون سمجھتا ہوں تم اسے نامبارک اور باعث اضطراب خیال کرتے ہو، مجھے جو نعمت و جد میں لے آتا ہے وہی نعمت تمہارے کانوں پر گراں گزرتا ہے، تم نہیں چاہتے کہ میری پیشانی میں تمہیں وہ آئینہ نظر آئے جس میں تم اپنے خدو خال کو روشن اور غیر مبہم دیکھ سکو۔

اے اسٹیفن، تمہیں مجھ سے نفرت نہ سہی، پھر بھی تم میری صورت دیکھنا نہیں چاہتے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ زندگی کے متعلق میرے خیالات تمہارے نقطہ نظر سے جدا ہیں اور میرا مسلک تمہارا مسلک سے علحدہ ہے۔

تم میری زبان سے اپنے توہمات و تصورات کے خلاف سنتے ہوئے ڈرتے ہو، تمہیں خوف ہے کہ میری وجہ سے تمہاری وہ لذت عیش جس سے تمہاری خیالی مگر تاریک دنیا معمور ہے، کہیں مگر نہ ہو جائے اور تم اس چیز سے محروم ہو جاؤ جو عموماً غم نصیب شعراء کے لئے باعث زندگی ہوا کرتی ہے۔

جو چاہو ہو! اور جس طرح چاہو رہو! جوانی ہمیشہ رہنے والی نہیں، اور جب یہ خمار اُترے گا اسوقت تمہارا طائر فکر تھک کر میری ہی سرزمین پر گرے گا اور ہم ایک دوسرے کو بھول جانے کے بعد پھر پہچان لیں گے، کٹ جانے کے بعد پھر مل جائیں گے اور جیسے تھے ایک دفعہ پھر ویسے ہی ہو جائیں گے۔

بیشک اب ہمیں الگ ہو جانا چاہیے، کیونکہ ہم متحد نہیں ہو سکتے، لیکن کل یقیناً ہمیں ایک دوسرے سے ملنا ہے اس لئے اگر ہم باہمی خط و کتابت بند نہ کریں تو کیا حرج ہے اور اگر تعلقات دیرینہ کی رعایت

و حفاظت کے لئے نصف ملاقات کے اس دروازہ کو مسرود نہ کریں تو کیا نقصان ہے۔

تمہارے گھر والے تمہاری طرف سے بہت حیران ہیں، ان کا خیال ہے کہ تم نے اپنے اغراض و مقاصد سے بے خبر رکھ کر انہیں دھوکا دیا ہے، تم اپنے ارا دے اور نیت سے مطلع کئے بغیر چپکے سے نکل کھڑے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ تمہارے اس طرح چلے جانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم اس لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے جسے انہوں نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔

میرے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح ہے اور تم اپنے اس ارا دے میں یقیناً غلط وار ہو۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے والد ایک معمولی حیثیت کے آدمی ہیں، اور بجز اس کے کہ معمولی طور پر زندگی گزار سکیں اور ان کے پس کیا ہے، ایسی صورت میں اگر تم اس لڑکی سے شادی کر لیتے تو یقیناً تمہاری زندگی سدھر جاتی اور زندہ رہنے کی ایک صورت نکل آتی، مگر اسٹیفن بڑی مصیبت یہ ہے کہ تم شاعر ہو اور ایک شاعر کے نزدیک سعادت و نیک نیتی کا مفہوم تمام انسانوں سے مختلف ہوا کرتا ہے۔

تمہارا بھائی تم سے بید محبت کرتا ہے اور میری طرح وہ بھی تمہیں ہمیشہ یاد کرتا رہتا ہے۔ اب تم اپنی خیریت اور مفصل کیفیت سے مطلع کرو۔

”والسلام“

”اسٹیفن کے اندیشے“

”رات بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے، اور صبح کی پیشانی سے رات کی سیاہ زلفیں اب بٹنے ہی والی ہیں لیکن مجھے نیند آتی ہے، نہ میری بچپنی کم ہوتی ہے، آرام چاہتا ہوں مگر نہیں ملتا، آنکھیں بند کرتا ہوں مگر سو نہیں سکتا۔“

ایڈورڈ اپنے خط میں میرا مذاق اڑاتا ہے، مجھے بیوقوف بناتا ہے اور اُس دن سے ڈرا رہا ہے جب میں اپنی تمناؤں اور تمام عمر کے دیکھے ہوئے خوابوں کو پورا ہوتے نہ دیکھ سکوں گا، اس کا خیال ہے کہ زندگی کی وہ سرسبز جہ میں حاصل کرنا چاہتا ہوں، شاعروں کی تحفیلی بد اعتدالیاں ہیں، جن میں وہ تمام عمر مبتلا رہتے ہیں۔ پھر اگر یہ سچ ہے تو زندگی کتنی تلخ اور دُنیا کس قدر بے مزہ ہے!

لیکن نہیں! جس نے یہ خوشنما آرزوئیں میرے دل میں پیدا کی ہیں وہ اپنے لطف و عنایت سے ان کی آبیاری بھی کرے گا اور جس ذات نے دُنیا کی تمام راحتوں کو چھین کر صرف ایک لذت امید میرے لئے چھوڑ دی ہو، وہ یقیناً کبھی ایسا نہ کرے گا کہ اس حقیر عیش کو جو میرا تنہا سرمایہ زندگی ہے مجھے چھین کر اس وسیع دُنیا کو

میرے اوپر تنگ کر دے۔

میں نے کیا نئی بات چاہی ہے، اور کون سی بڑی چیز طلب کی ہے؟ یہی ناکہ اس دنیا کی تمام نیڑگیوں اور اس عالم کی بے پناہ وسعتوں میں ایک ایسا دل چاہتا ہوں جس کا وجود میرے لئے باعث سکون ہو اور جس کے ساتھ رہ کر تلخی حیات کو فراموش کر سکوں۔

پھر وہ کونسی چیز ہے جو خدا کی قدرت سے باہر ہے اور عقول انسانی میں وہ کونسی عقل ہے جو اُن سے زیادہ بلند اور عجیب چیزوں کا تعقل کر سکتی ہے جن کو خدا پیدا کرتا رہتا ہے، ہمارا ذہن جن چیزوں کا احساں کر سکتا ہے اور ہماری عقل جس جولانگاہ میں اڑ سکتی ہے۔ وہ اس عالم کے حقایق اور اس دنیا کی بوقلمونیوں کے مقابلہ میں یقیناً بہت ہی حقیر اور بے رنگ ہیں۔

اگر کوئی شخص چڑھتے ہوئے سورج، بڑھتی ہوئی رات، جنگلوں کے حُسن و جمال اور بلند پہاڑوں کی داستان عظمت و جلال کو سنے اور پھر چشم تصور سے نہیں بلکہ اپنی ان آنکھوں سے اُنہیں دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ جمال کائنات جمالِ تصورات سے کہیں بڑھ کر ہے، اور دنیا کی حقیقتیں ہمارے حُسنِ تخیل سے بہت بلند ہیں اسی وجہ سے میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس سعادت کو میں نے اپنے لئے چاہا ہے چونکہ وہ اسی دنیا کی چیز ہے اس لئے مجھے ضرور حاصل ہوگی اور وہ دن جب میں اپنی امیدوں کو ٹٹتا ہوا اور رشتہ آرزو کو کٹتا ہوا دیکھوں میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو نا آشنائے آرزو ہو، اور وہ دل بھی کوئی دل ہے جو محبت کی تڑپ سے خالی ہو۔“

”محبت“

ایک روز صبح کو اسٹیفن پائیں باغ میں پہنچا تو دیکھا کہ ماجدولین کا باپ ایک روش کے کنارے اپنی کلہاڑی کے سہارے کھڑا ہوا ہے، اس نے مجبوراً سلام کیا اور موٹر نے بھی بڑے تپاک سے اس کا جواب دیا۔

وہ چاہتا تھا کہ یوں ہی نکلا چلا جائے مگر اس نے دیکھا کہ موٹر کی نگاہیں اُسے روکنا چاہتی ہیں اور الفاظ اس کے ہونٹوں سے نکلنے کے لئے بیتاب ہیں۔ چنانچہ وہ کچھ شرما کر کھڑا ہو گیا۔ اور موٹر بولا:

”دیکھو آج سورج کتنا خوبصورت ہے اور آسمان کیسا صاف ہے۔“

انہی تین نے چاہا کہ اس کا جواب دیکر سلسلہ کلام کو جاری رکھے، لیکن اس کے ذہن میں اسکے علاوہ

اور کوئی بات نہ تھی کہ وہ فقط اسکی لڑکی کی خیریت دریافت کرے۔ لیکن پھر فوراً ہی اسے خیال ہوا کہ اگر اسے ایسا کیا تو یقیناً مولر کو شک ہوگا۔

اسکے لئے یہ بالکل پہلا موقع تھا کہ اسے خیال ہوا کہ ایک مرد کا دوسرے مرد سے اس کی لڑکی کے متعلق کچھ پوچھنا شک میں ڈالنے والی چیز ہے۔

مولر نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا: ”اور یہ وقت بھی کس قدر سہانا اور خوشگوار ہے۔ اگر رعشہ کی یہ تکلیف جسے میں اپنے ہاتھ پاؤں میں پاتا ہوں، نہ ہوتی تو میں اس سے بہت لطف اندوز ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ بڑھا پا بھی بڑی مصیبت ہے اور اس کا ذائقہ نہایت تلخ۔ عہد شباب بھی کیا زمانہ تھا جب نہ طوفانوں کا خوف تھا اور نہ تپتی ہوئی زمینوں کا۔! آہ، وہ دن جب میں ہر روز صبح اٹھ کر ننگے سر ننگے پاؤں پہاڑوں کی چوٹیوں، دریاؤں کے کناروں، لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور لہراتے ہوئے سبزہ زاروں میں کھیلتا کودتا اور میدانوں میں شکار کے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا۔ آج یہ دن ہے کہ اس کونے میں بیٹھا ہوا سورج کی سفید شعاعوں سے اپنے جسم مرتعش کے لئے چادریں بنتا رہتا ہوں اور اس عہد گزشتہ کو یاد کرتا ہوں۔ — ماجدولین کی چھوٹی چھوٹی سہیلیاں جب اس چھوٹے سے سفید ٹیلے پر آکر اس کے ساتھ کھیلتی ہیں تو میری آنکھوں کو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔“

اس موقع پر اسٹیفن گفتگو کے میدان کو ذرا وسیع پا کر بول اٹھا:

”آج ماجدولین اپنی حسب عادت نیچے نہیں اتریں، اچھی تو ہیں؟“

”ہاں بخیریت ہیں کل شام ہمارے عزیزوں میں سے ایک صاحب یہاں آئے ہیں اس لئے مجبوراً انکی خاطر و مدارات کے لئے گھر پر چھوڑ آیا ہوں، اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ باغ میں آئے بغیر اسے چین نہیں پڑ سکتا، اور سورج کی وہ چند سفید شعاعیں جو روشن دان سے اس کے کمرے میں پہنچ جاتی ہیں، اُسے کھلے ہوئے آفتاب کے نظارے سے بے نیاز نہیں بنا سکتیں۔“

اس کے بعد وہ دونوں مختلف عنوانات پر گفتگو کرتے رہے کہ یکایک گھر کا دروازہ کھلا اور ارشمید ”ماجدولین“ آپس میں ہنستے بولتے گھر سے باہر نکلے، جب وہ ماجدولین کو مخاطب کرتا تو اس کا چہرہ شگفتہ ہو جاتا، اور جب وہ اس سے بات کرتی تو وہ مسکرا دیتا۔ ان کا انداز گفتگو کچھ ایسا تھا جیسے دو چاہنے والے باہم لطف و محبت کی باتیں کر رہے ہوں۔

اس وقت اسٹیفن نے وہاں ٹھہرنا کچھ مناسب نہ سمجھا کیونکہ یہ منظر اسے تکلیف پہنچا رہا تھا، اب وہ دونوں اسکے قریب آچکے تھے اور اسٹیفن ذرا ہٹ کر پھولوں کے دیکھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ یہاں سے

بھاگ جانا چاہتا تھا مگر مشکل یہ تھی کہ وہ دونوں اس کے راستے میں حایل تھے۔ ان دونوں نے قریب آکر اسے سلام کیا اور اسٹیفن نے بڑی سرد مہری اور ڈوبی ہوئی آواز میں سلام کا جواب دیا اور انھیں وہیں چھوڑ کر ایک طرف کو چلا گیا، ابھی وہ چند ہی قدم چلا ہوگا کہ اس نے پیچھے سے نوجوان کے قہقہے کی آواز سنی، اُسے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں اُسی پر مہنس رہے ہیں۔ چنانچہ اس نوجوان کی طرف سے اس کے دل میں ایک جذبہ نفرت پیدا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اگر اسے موقع مل جاتا تو شاید اس کے چہرے کو خون سے رنگ دیتا اور ہتا دیتا کہ وہ کسی کے مذاق کا نشانہ نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ کچھ سوچنے لگا اور اس عجیب و غریب کیفیت کا جو اس وقت اس پر طاری تھی محاسبہ کرنے لگا۔ ”مجھے اس نوجوان سے کیا واسطہ؟ میں کیوں اپنے دل میں اس کی طرف سے غم و غصہ کے جذبات پاتا ہوں؟ کچھ میں اس لڑکی پر عاشق تو نہیں ہوں اور نہ اسے اس کے ہاتھ سے چھین لینا چاہتا ہوں، اور خود وہ بھی میری محبت میں حایل نہیں ہے پھر کیوں میں اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں؟“

وہ دیر تک اپنے آپ سے اسی قسم کے سوالات کرتا رہا جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اور نہ انکی عقل اس معاملہ میں اس کی رہنمائی کرنے کو تیار تھی۔ اس کے بعد وہ کان لگا کر چاروں طرف سننے لگا، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ہر جگہ سکون مساط تھا چنانچہ وہ جھاڑیوں کی اوٹ سے باہر آیا اور اپنے سامنے کسی کو نہ پا کر درختوں اور جھاڑیوں سے ہوتا ہوا ایک عالم بخودی میں باغ سے باہر نکل گیا، اور جب ذرا شام ہونے لگی تو وہ اپنے کمرہ کی طرف واپس ہوا اور اپنے بالا خانہ پر چڑھ گیا، لیکن جوں ہی وہ ماہدولین کے کمرے کے سامنے سے گزرا اندر سے باتوں کی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی اور ابھی ابھی جس چیز کو بھلا چکا تھا پھر اس کی یاد تازہ ہو گئی کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت ماہدولین اپنے عزیز ارشد سے ہمکلام ہے اور یہ خیال اس پر بہت شاق و گراں گزرا، چنانچہ اس کے قدم سُست پڑ گئے۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ اگر وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا تو کسی کو اس کی موجودگی کی خبر نہ ہوگی تو وہ آگے بڑھا اور ان کی باتوں کو کان لگا کر سننے لگا، لیکن باوجود کوشش کے ایک حرف بھی نہ سُن سکا اس کے بعد وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ اور ایک نہایت ہی غمگین اور پردرد لہجے میں ماہدولین گانے لگی، جو یقیناً اسٹیفن کے لئے بہت ہی خوشگوار ہوتا اگر کوئی دوسرا شخص اس موج کوثر و تسنیم میں ڈوبنے کے لئے موجود نہ ہوتا۔ اس کے بعد گانا ختم ہو گیا، اور اسٹیفن نے کسی کو دروازے کی طرف آتے ہوئے محسوس کیا۔ چنانچہ وہ فوراً اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اور وہی نوجوان دروازے سے باہر نکلا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ماہدولین اسے رخصت کرنے کے لئے باہر آئی۔

وہ ایک نہایت ہلکے اور سفید لباس میں ملبوس تھی جسے لڑکیاں عموماً اسی وقت پہنتی ہیں جب وہ اپنے

دوستوں یا ہم عمر عزیزوں کے سامنے ہوں۔

آج اسٹیفن کو ماجد ولین میں ایک نئی شکل نظر آرہی تھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اور خود اسے اپنے پہلو میں ایک عجیب و غریب کیفیت محسوس ہو رہی تھی جو آج سے پیشتر اسے دیکھ کر کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی اسے رخصت کر کے وہ اپنے کمرہ میں لوٹ آئی اور اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ اسٹیفن بھی وہاں سے ہٹ کر پھر اپنی پہلی جگہ پر لوٹ آیا۔

وہ خوب سمجھ رہا تھا کہ آج جو چیز اس کی طبیعت پر مستولی ہے، اور جس خلش کو وہ اپنے سینہ میں محسوس کر رہا ہے، محض وسواس یا جنون نہیں ہے اور نہ بخار کی گرمی بلکہ یہ وہی چیز ہے جسے محبت کہتے ہیں۔

”دعوت“

ایک روز موٹر ماجد ولین کے پاس آیا اور کہنے لگا:-

”بیٹی میں نے اپنے پڑوسی کو جو ہمارے مکان کے بالا خانہ پر رہتا ہے، آج شام کو کھانے پر مدعو کیا ہے اس کے لئے تمہیں کو کھانے کا انتظام کرنا ہوگا، اور ہاں تمہیں ہماری خاطر آج شب میں کچھ گانا بھی پڑیگا کیونکہ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ میں اس شخص کی بلند ہمتی، ذہانت اور علم نباتات میں اس کی وسعت معلومات کا اس قدر معترف ہوں کہ اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے دوستانہ تعلقاً پیدا کروں۔ اتنا کہہ کر موٹر وہاں سے اٹھا اور باغ میں چلا گیا، جب شام ہونے لگی تو وہ گھر واپس آیا اور اپنے کمرے کی اُس کھڑکی کے پاس بیٹھ کر جو باغ کی طرف کھلتی تھی اپنے مہمان کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ یکایک اس نے اسٹیفن کو باغ کے دروازے سے نکلتے اور بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا، چنانچہ وہ چلا کر اپنی کھڑکی سے کہنے لگا:-

”ماجد ولین میرا خیال ہے کہ ہمارے پڑوسی نے اپنے وعدے کا کچھ خیال نہیں کیا۔ میں نے اسے ابھی ابھی باغ کے دروازے سے نکلتے اور بڑی تیزی سے سامنے والی سڑک پر بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔“

ماجد ولین کہنے لگی:

”بہت ممکن ہے اُسے اس وقت کوئی ایسا کام پیش آگیا ہو جس کا پہلے سے اُسے خیال نہ آیا ہو،“

”میں ضرور اس کا انتظار کرنا چاہئے۔“

غرض وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ ماجد ولین بھتی رہی اور موٹر اپنی سگرت سے اپنا وقت کاٹتا رہا اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ واپس نہیں آئے گا تو انہوں نے اٹھ کر کھانا کھا یا اور پھر سونے کے لئے چلے گئے۔

”ملاقات“

سو تر اپنی بیٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُس نے ستاروں پر ایک غلط انداز نگاہ ڈالی اور کہنے لگا:
”میرا خیال ہے کہ آج رات بڑی زور کی بارش ہوگی۔“
ماجدولین کہنے لگی:

”لیکن ابا جان آپ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ سیکڑوں غریب مسافر ایسی اندھیری راتوں اور سر پہ
بڑتی ہوئی پانی کی بوچھاڑوں اور راستہ کی دلدلوں سے کیسی کیسی ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھائیں گے، میں تو
سمجھتی ہوں کہ شقاوت و بدبختی ہر چیز میں پنہاں ہے اور وہی ایک چیز جو ایک کے لئے پروانہ رحمت ہے،
دوسرے کے لئے باعث زحمت ہوتی ہے۔“

مولر کو یہ تنقید کچھ پسند نہیں آئی اور کہنے لگا:

”ہاں ماجدولین ان کی شقاوت و بدبختی میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور یقیناً اسٹیفن بھی انھیں بد نصیب
انسانوں میں سے ہے۔ غنیمت خدا کا، رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے اور وہ ابھی تک نہیں ٹوٹا۔ حالانکہ
وہ کل رات بھر کہیں باہر رہ چکا ہے۔“

اس جملہ نے ماجدولین پر گہرا اثر کیا، اس نے اپنا سر جھٹکا لیا اور ایک عالم محویت میں کتاب کے ورقوں
سے کھیلنے لگی۔

یہ دونوں اسی طرح خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک آہستہ آہستہ کسی نے دروازے پر دستک دی،
ماجدولین پریشان ہو گئی اور مولر بھی گھبرا گیا، جنفأف (خادمہ) اٹھکر گئی اور دروازہ کھول کر دیکھا تو اسٹیفن
کھڑا ہوا تھا، اس نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور یہ کہتا ہوا اندر داخل ہوا:

”حضرت! معاف فرمائیے گا آپ کو ضرور خیال ہوا ہوگا کہ میں نے اپنے وعدہ کے ایفا کا کچھ لحاظ نہیں
رکھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے میرے بھائی کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ میں اس سے لشکر گاہ میں جا کر
مل لوں اور لڑائی پر جانے سے پہلے اس سے رخصت ہو لوں۔ اس خط کو دیکھ کر مجھے خیال نہیں رہا اور
اس مہلت میں آپ سے اپنی غیر حاضری کی معذرت بھی نہ چاہ سکا، میں یہاں سے نکل کر سیدھا دس میل تک
چلا گیا اور ایک ایسے دل سے اسے رخصت کیا جس میں رنج و خوشی دونوں ملے ہوئے تھے، خوشی تو اس بات
کی کہ میں نے اسے بہت ہی خوش و خرم دیکھا وہ کبھی رجز پڑھتا تھا، کبھی اپنے گھوڑے سے کھیلتا تھا اور کبھی
خود پشکر اور تاور لگا کر اکڑا کر پاتا تھا، لیکن غم اس بات کا کہ مبادا شیت خداوندی مجھ سے پہلے اسکی طرف

سبقت کرے اور میرے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے اور میں اس نامراد دنیا میں اتنا تنہا اور بے یار و مددگار بیجاؤں کہ نہ میرے آس پاس کے دلوں میں کوئی دھڑکتا ہوا دل مجھے غمزہ دیکھ کر آزر دے ہو۔ اور نہ ان بے شمار دیکھنے والی آنکھوں میں کوئی آنکھ مجھے روتا ہوا دیکھ کر اشک آلود ہو۔

ابتنا کہہ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور قریب تھا کہ ماجدولین بھی رونے لگے، لیکن اسکی نسوانی شرم و حیا مانع ہوئی اور اپنی غم آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، لیکن وہ نہ دیکھ سکا کیونکہ چوں ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا اس نے اپنی نگاہیں پھر اپنی کتاب کے صفحہ پر جمادیں۔

اسٹیفن کو اس طرح آبدیدہ دیکھ کر موثر کہنے لگا: ”اے میرے بچے روؤ نہیں، غم نہ کرو“ اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر چار کی میز پر لے گیا اور دونوں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

اس وقت موثر اپنے مہمان سے چائے اس کی جائے پیدائش، اس کے طریق کاشت، اس کے پتوں اور ڈنٹھلوں، اس کے مختلف اقسام والوان، اس کے طریق استعمال اور پکانے کے آداب اور علماء و نباتات کی رایوں اور ان کی باہمی اعتراضات و جوابات کا ذکر کرنے لگا اور اس خیال سے کہ اسٹیفن ان کی گفتگو کو ہمہ تن گوش ہو کر سن رہا ہے بحث کو طول دیتا رہا۔ حالانکہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ موثر نے کیا کہا۔ وہ تو اس فکر میں تھا کہ کسی طرح چپکے چپکے دزدیدہ نگاہوں سے ماجدولین کو دیکھ سکے، اور وہ بھی جب اسے موقع مل جاتا تو ایک نگاہ اس پر ڈال لیتی تھی، یہاں تک کہ وہ دونوں چائے سے فارغ ہو گئے اور موثر نے اپنی بیٹی سے گانے کی فرمائش کی۔

چنانچہ اس نے ایک ایسا نغمہ شروع کیا جس میں خون کی کپکپاہٹ اور غم کی تھر تھراہٹ شامل تھی اور یہ نغمہ ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ اسٹیفن پر ربودگی سی طاری ہونے لگی، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا دنیا اس کے سامنے گھوم رہی ہے۔ اور زمین و آسمان بدل گئے ہیں وہ گھبرا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ دار فکری باعث رسوائی ہو، چنانچہ وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ موثر بھی اس کے ساتھ دروازہ تک آیا اور کہنے لگا:

”اے اسٹیفن کبھی کبھی چلے آیا کرو تمہاری پڑیرائی کے لئے یہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔“

اسٹیفن ایک نئے دل و دماغ کے ساتھ وہاں سے واپس ہوا، اور آج اس کے پہلو میں ایک نئی چمک تھی جس کا احساس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

”عورت“

ماجدولین نے ساری رات عبادت خانہ میں سرسجود گزاری اور یہی دعا کرتی رہی کہ خدا اس کی مدد کرے اور

اس نئی زندگی کی تاریکیوں میں جو اس کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہیں اس کی رہنمائی فرمائے۔ اس وقت اس کا دل عجیب غریب خیالات کا جولا نگاہ تھا۔ خوف و محبت رنج و راحت امیدیں اور مایوسیاں سب ایک جگہ جمع تھیں وہ کبھی سنسنے لگتی اور کبھی اس قدر روتی کہ چادر تک تر ہو جاتی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کیوں منہستی ہے اور کیوں روتی ہے۔ غرض دیر تک ان کی یہی حالت رہی اور پھر وہیں اپنی جانناز پر لیٹ کر سو گئی۔

ادھر اسٹیفن نے ساری رات اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے بیٹھے گزار دی، وہ سر اٹھا اٹھا کر آسمان کو دیکھ لیتا تھا، گویا آسمان کے تاروں سے اس نے کوئی عہد بیداری کیا تھا اور اس وقت جو راحت و مسرت اسے حاصل ہوئی تھی اس کا پیغام انھیں پہنچا رہا تھا۔

جو چیز اس کے لئے باعث مسرت تھی وہ یہ تھی کہ جس گم شدہ محبت کی اسے مدت سے تلاش تھی وہ اسے مل گئی، اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا:

”خدا کا شکر ہے میں جس زندگی کو پسند کرتا تھا مجھے مل گئی اور جس عورت کا تصور میں نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا وہ مجھے حاصل ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت ہی وہ افق ہے جہاں سے آفتاب سعادت طلوع ہو کر اس دنیا کی تاریکیوں کو دھو دیتا ہے، اور یہی وہ مبارک قاصد ہے جس کے ہاتھوں معبود حقیقی کے انعامات بندوں تک پہنچتے ہیں، اور یہی وہ نسیم خوش خرام ہے جو انسان کی زندگی میں روح عمل پھونکا کرتی ہے، عورت ہی وہ معراج ہے جس کے ذریعہ سے انسان اس دنیائے آب و گل سے بلند ہو کر عالم ارواح کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور یہی خدا کا وہ پیامبر ہے جس کے خدو خال میں جمال و جلال الہی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ جس لڑکی سے آج میری ملاقات ہوئی ہے اس کی پیشانی میں مجھے اپنی زندگی اپنی سعادت اور اپنے یقین و ایمان کی جھلک نظر آتی ہے۔“

وہ دل ہی دل میں یہ سب کچھ کہہ رہا تھا اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جس محبت نے اس کے دل کی فضا کو معمور کر دیا ہے وہ چمک کر کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی ہے، وہ اس وقت آسمان کے نیلگوں دامن میں محبت کی صورت دیکھ رہا تھا۔ آج اسے ہر ہر ذرہ ہنستا ہوا اور درختوں کی ایک ایک ٹہنی برباد و رہاب نظر آرہی تھی۔ وہ انہی خیالات و تصورات میں رات بھر جاگتا رہا یہاں تک کہ صبح کی پیشانی سے رات کا آجکل ڈھلکنے لگا اور وہ کچھ دیر کے لئے سو گیا۔ سو کر اٹھا تو باغ میں آیا اور ماجدولیس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن دوپہر ہو گئی اور وہ نہ آئی۔ اب اس کے دل میں مختلف شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ اور موتر کے پاس جانے کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔ چنانچہ وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں، اور دھڑکتے ہوئے دل کے تھکا وں پہنچا اور دروازہ ہر دستک دی۔ اس وقت اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے دل کا کوئی

ٹکڑا علیحدہ ہو کر کہیں دور جاگرا ہے، اور بولنے اور بات کرنے کی طاقت اس سے سلب ہو چکی ہے، اسے سخت شرمندگی اور ندامت تھی کہ اس نے یہاں آنے کے بجائے کوئی دوسرا ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا اور چاہ رہا تھا کہ کاش خادم کو یہاں تک آتے آتے اتنی دیر لگ جائے کہ وہ اپنے ہوش و حواس مجتمع کر سکے اور اتفاقاً اس کی یہ آرزو پوری ہوئی کیونکہ جنفیات نے اس وقت تک کواڑ نہیں کھولے جب تک کہ وہ اپنے کام سے فارغ نہیں ہو گئی اسٹیفن نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا ”موکر کہاں ہے؟“

جنفیات نے اسے لیجا کر مہانوں کے کمرے میں بٹھا دیا اور خود موکر کو اطلاع دینے چلی گئی جو اس وقت اپنے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا مطالعہ میں مصروف تھا۔

اسٹیفن جب تنہا رہ گیا تو اس نے اس کمرے کا ایک عام جائزہ لینا شروع کیا۔ اس نے اپنے قریب ہی ایک دروازہ دیکھا جو اتفاق سے کھلا ہوا تھا اور اس کی دوسری طرف ایک سیاہ مسہری بجھی ہوئی تھی وہ سمجھ گیا کہ یہ ماحولین کا کمرہ ہے۔ وہ دروازہ کے قریب آیا اور کان لگا کر سننے لگا مگر کمرہ خالی تھا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا شوق اور بڑھا اور اندر جانے لگا، وہ جانتا تھا کہ اس کا یہ اقدام مناسب نہیں لیکن اس وقت وہ اس دور سے گزر رہا تھا جب عقل دل کا ساتھ نہیں دیتی۔

چنانچہ وہ اندر چلا گیا اور اس نے دیکھا کہ بستر پر شکین ابھی تک موجود ہیں، اور تکیہ کا وہ حصہ چیر ماحولین اپنا سر رکھ کر سوئی تھی ابھی تک دبا ہوا ہے، مسہری کے سامنے پانی سے لہریز ایک تشت رکھا ہوا ہے اور اسی کے برابر ایک کرسی پر ایک بھیگی ہوئی چادر پھیلی ہوئی ہے۔ پھر اس نے زمین کو دیکھا جس کی غمی میں چھوٹے چھوٹے قدموں کے نشانات اب بھی موجود تھے، وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی بستر ہے جس پر ماحولین سوئی تھی، یہ وہی پانی ہے جس سے اس نے اپنا منہ دھویا تھا یہ وہی تولیہ ہے جس سے اس نے اپنا منہ پوچھا تھا اور یہ وہی زمین ہے جس پر وہ اپنے پاؤں دھو کر چلی تھی۔

وہ ایک سنگین بُت کی طرح ساکت و صامت اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا ”کس قدر خوش نصیب ہے یہ مسہری جس پر وہ سوتی ہے، کتنا قابل رشک ہے یہ تولیہ جس سے وہ اپنا منہ پوچھتی ہے، کیسی مقدس ہے یہ زمین جس پر وہ اپنے قدم رکھتی ہے، اور کیسا خوش قسمت ہے وہ پانی جسے وہ اپنے بدن پر ڈالتی ہے۔“

یہ کہتے کہتے وہ کرسی پر پڑی ہوئی تولیہ کی طرف بڑھا اور اسے چومنے لگا جس طرح کوئی بوجھاری اپنے منہ کے پردے کو چومتا اور آنکھوں سے لگاتا ہے۔ وہ زمین پر جھک گیا اور دیر تک ماحولین کے نشانات قدم پر پیشانی رگڑتا رہا۔ اتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ اسے محسوس ہوئی اور وہ فوراً اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ

بیٹھا ہی تھا کہ مولر اندر داخل ہوا اور سلام کے بعد کہنے لگا:

”اے اسٹیفن معاف کرنا مجھے تمہارے پاس آنے میں اس لئے دیر لگی کہ میں لغت کی کتابوں میں علم نباتات کے بعض ناموں کی تحقیق کر رہا تھا اور آج کا تمام دن اسی میں صرف ہو گیا، کیا تم اس میں میری مدد کر سکتے ہو اگر ایسا ہے تو وعدہ کرو کہ کھانا کھانے سے پہلے تم یہاں سے نہیں جاؤ گے۔“

اسٹیفن یہ سنکر مسکرایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اتنا وقت وہ ماجدولین کے گھر گزارے گا، اور اس سے زیادہ خوش بختی اس کی اور کیا ہو سکتی تھی۔

وہ دونوں اٹھکر کتب خانہ میں چلے گئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ تب مولر نے اسٹیفن کے سامنے ان تمام ناموں کو پیش کیا جو آج ان کی تمام مشغولیت کا باعث تھے اور ان کے مطالب و معافی ان کے مصادر و اشتقاق کے متعلق علماء نباتات کی رائیں اور پھر اپنی تحقیق بیان کرنے لگا، جہاں کہیں شنائے کلام میں کسی کتاب کا ذکر آتا وہ فوراً کتابوں کی الماری کی طرف جاتا اور کتاب نکال کر اسکے اوراق کو لوٹنے لگتا اور جب وہ موضوع اسے مل جاتا تو ایک قسم کے ساتھ اسے پڑھتا اور کہتا کہ ”دیکھو فلاں عالم کا اس کے متعلق یہ خیال ہے، لیکن میرا عقیدہ اس کے برعکس ہے اور اس میں صرح ہی کیا ہے اگر میری تحقیق اس کی تحقیق کے خلاف ہو۔ علم کسی خاص مصنف یا مکتب کی میراث نہیں ہوتی بلکہ وہ حجت سے حجت کے ٹکڑے اور رائے کا رائے سے مقابلہ کرنے ہی کا نام ہے۔“

وہ یوں ہی مجذوب کی طرح بڑبڑا رہا تھا اور اسٹیفن ان تمام باتوں سے بخیر رہ رہ کر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا اس خیال سے کہ شاید وہ ماجدولین کو اندر آتے ہوئے دیکھ سکے۔

مولر اس کی اس کیفیت کو سمجھ گیا اور کہنے لگا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بار بار دروازے کی طرف دیکھتے ہو۔ شاید تمہیں خیال ہے کہ کوئی غیر شخص اندر آکر ہماری تنہائی میں مداخلت ہوگا تو تم مطمئن رہو کہ اس گھر میں کوئی شخص مداخلت نہیں کر سکتا اور میری اجازت کے بغیر میرے کمرے میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“

اتنے میں خادمہ کی آواز آئی جو اسے کھانے پر بلا رہی تھی۔ مگر اس نے اپنی گفتگو کا سلسلہ ختم نہیں کیا، خادمہ نے پھر آواز دی اور مولر بڑی گرانی اور آہستگی کے ساتھ اٹھا اور اسٹیفن سے باتیں کرتا ہوا کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔

اسٹیفن کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا کہ میز کے آس پاس صرف دو کرسیاں پڑی ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ ایک تو اسکے لئے ہے اور دوسری مولر کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی، فرط غم اور شدت الم سے اس کی زبان بند ہو گئی اور چپ چاپ بیٹھا ہوا کھانا کھاتا رہا، نہ اس نے کوئی لفظ کہا اور نہ ایک حرف سُنا یہاں تک کہ وہ دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے۔

موٹر کہنے لگا: ”تمہیں یہاں بھیج کر خدا نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے آج مجھے اس تنہائی میں کسی مونس اور اس دسترخوان پر کسی رفیق کی امید نہ تھی کیونکہ آج ہی صبح میری لڑکی اپنی ایک سہیلی سے ملنے گئی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ شام سے پیشتر واپس نہیں ہو سکے گی۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے باغ میں چلو اور کچھ چہل قدمی کرو۔“

چنانچہ وہ دونوں باغ میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد ہی خادمہ نے کھر کی میں سے چلا کر ماجد ولین کے آنے کی خبر دی۔ موٹر نے اسٹیفن کو رخصت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور اُسے مہربوت و متیر چھوڑ کر چلتا ہوا، آج اسکے رنج و غم کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔

”حیرت“

اس کے بعد سے اسٹیفن کی یہ حالت ہو گئی کہ جب کبھی وہ ماجد ولین کو باغ میں دیکھ لیتا تو فوراً اس کے سامنے سے ہٹ جاتا اور اُس راستہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا وہ اپنے لئے ایک ایسی تنہائی کا طالب تھا جہاں وہ اپنے آپ کو عالم تصور میں ماجد ولین کے سامنے دیکھے اور ایک محبت بھرا سلام اس تک پہنچا سکے، لیکن قبل اس کے کہ اس کا یہ ارادہ پورا ہو، ماجد ولین اپنے کمرہ کی طرف لوٹتی ہوئی نظر آتی، یہ دیکھ کر اسے اس قدر صدمہ ہوتا کہ راتوں کی نیند اڑ جاتی بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا اور کسی پہلو قرار نہ ملتا۔ وہ مجبور ہو کر جنگلوں اور ویرانوں میں نکل جاتا پہاڑوں کی چوٹیوں اور دریا کے کناروں پر حیران و سرگرداں پھرتا رہتا کہ شاید اسی طرح روح کی صحت اور دل کی چلن میں کوئی کمی ہو۔

ان باتوں کو ایک عرصہ گزر گیا، وہ نہ باغ میں گیا نہ اس نے ماجد ولین کو دیکھا اور نہ موٹر ہی سے اس کی ملاقات ہوئی، آخر اس کا دل بیٹھنے لگا اور ہر طرف سے مایوس ہو گیا، ایک روز جب وہ کہیں سے واپس ہوا تو اس کو تیز بخار چڑھا ہوا تھا، بھینپی اور کمزوری انتہا کو پہنچ چکی تھی، وہ اپنے کمرے میں آکر گر پڑا اور پھر کئی روز تک اُسٹھنے کے قابل نہ ہو سکا اس کا جسم اور جان دونوں علیل تھے اور قوت برداشت بالکل مفقود تھی۔

جنفیات کو اس کی علالت کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ اس نے جا کر موٹر سے کہا موٹر اس کی بیماری کا حال سن کر اس کی عیادت کے لئے اوپر آیا لیکن پوچھنے پر بھی اس نے اپنی صحیح صحیح کیفیت سے مطلع نہیں کیا بلکہ یونہی سی کچھ بات بنادی، موٹر اس سے ایک گھنٹہ تک باتیں کرتا رہا اور جب جانے لگا تو اسٹیفن نے ہنسنے کے پھولوں کا ایک گلدستہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اشارہ کیا جو اسکے سر ہانے گلدان میں بڑی خوبصورتی سے رکھا ہوا تھا اور کہنے لگا:۔

”یہ چند پھول میں نے ماجد ولین کے لئے چنے ہیں کیونکہ میں جانتا ہوں انھیں ان پھولوں سے بہت دلچسپی ہے“

امید ہے کہ آپ میری طرف سے یہ گلدستہ ان کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔
مولر نے شکریہ کے ساتھ اسے لیا اور رخصت ہو گیا۔

اس کے کئی دن بعد جب وہ اچھا ہو گیا تو ایک روز باغ میں اُترا اور اپنے دل میں ماجدولین کے سامنے سے نہ بھاگنے کا پختہ ارادہ کر کے اُترا اور یہ عزم کر لیا کہ کچھ ہو اس کے پاس جا کر ضرور سلام کرے گا اور اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کرے گا، ابھی وہ اسی خیال میں محو تھا کہ ماجدولین سامنے سے آتی ہوئی نظر آئی۔ بھاگ جانا اسکے لئے ممکن نہ تھا اس لئے بڑھ کر سلام کیا۔ ماجدولین نے بھی جواب دیا، اسٹیفن نے نگاہیں نیچی کر لیں اور ماجدولین نے سر جھکا لیا۔ دونوں خاموش تھے اور متحیر۔ وہ اس سکوت کو توڑنے کے لئے الفاظ تلاش کر رہی رہا تھا کہ ماجدولین نے ابتدا کی اور کہنے لگی:

”آپ کے چہرے سے ضعف و نقاہت کے آثار ابھی تک ظاہر ہیں۔ طبیعت کی افسردگی اور پڑمردگی بتلاتی ہے کہ اس مرتبہ آپ نے سخت تکلیف اُٹھائی۔“

اسٹیفن کے منہ سے بجز ہاں کے اور کچھ نہ نکل سکا۔ اور پھر وہ کہنے لگی: ”میں آپ کے اس قیمتی ہدیہ اور خوبصورت تحفہ کی جو آپ نے میرے لئے بھیجا تھا بید ممنون ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر کس قدر حیرت ہوئی کہ آپ نے وہی پھول بھیجے جو مجھے بید پسند ہیں، سچ تو یہ ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ الہام ہے۔ مجھے شاعروں پر تعجب ہے کہ وہ اپنے اشعار میں بنفسہ کے پھولوں کا ذکر کبھی نہیں کرتے حالانکہ جن پھولوں کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ ان کے مقابلہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے اور نہ اپنے حسن و جمال میں ان کے برابر ہو سکتے ہیں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ سوائے ”رگیتے“ کے کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر ان کی تعریف میں مینے کبھی پڑھا ہو۔“

اس موقع پر اسٹیفن کو شعرو شاعری پر اظہار خیال کرنے کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا اور اس موضوع پر بہت دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ ماجدولین کی واپسی کا وقت آگیا اور وہ رخصت ہو گئی۔ اسٹیفن بھی اپنے بالا خانہ پر چڑھ گیا۔ آج وہ طے کر چکا تھا کہ جس چیز کو وہ اس سے زبانی نہیں کہہ سکا ہے اسے لکھ کر اس کے سامنے پیش کرے گا۔

سوزان کا خط ماجدولین کے نام

”اے ماجدولین! میں اپنے والد کے ہمراہ تم سے ملنے کے لئے آنے والی تھی لیکن ایک عجیب و غریب واقعہ مانع آیا۔ ہم لوگوں کو ہمارے ایک دوست نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی اس کا گھر ہمارے گاؤں سے کوئی تین میل کی مسافت پر ہے اور غالباً تمہارے گھر سے تو بہت ہی قریب ہے۔ ہم لوگ ایک روز صبح کو ان کے یہاں گئے

اور چند گھنٹے تک ٹھہرے رہے، ذرا دن ڈھلے سب لوگ اپنے اپنے گھروں سے سیر و تفریح کے لئے میدانوں، باغوں اور سبزہ زاروں کی طرف نکل کھڑے ہوئے، اور اسے ماجدولین تھیں تو معلوم ہی ہے مجھے فطرت کی اُن تمام نیرنگیوں اور ہولکمونوں سے جن کا شعراء ذکر کیا کرتے ہیں کبھی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، جنگلوں اور بیابانوں کے نظائے پہاڑوں اور نیستانوں کے مناظر میرے لئے اپنے اندر کوئی سامان مسرت نہیں رکھتے، پانی کی روانی اور نسیم کا خرام بادلوں کی گرج اور سورج کی تیش پہاڑوں کی چوٹیاں اور ریگستانوں کے نشیب و فراز میرے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، تاہم میں ان کے ساتھ گئی، میں خاموش تھی اور یہ لوگ گاؤں کی دلچسپ فطرت کے محاسن کے بیان میں رطب اللساں تھے مگر ان لوگوں کی حالت بھی ان مکار اور زمانہ ساز مصنفوں سے کچھ بہتر نہ تھی جو دہقان کی اہمیت اور اس کی تعریف میں ورق کے ورق سیاہ کر دیتے ہیں اور اُس کے ہاتھوں کی ثنا و صفت میں جو نوع انسانی کی خدمت کے لئے وقف ہیں قصیدے لکھ مارتے ہیں۔ لیکن یہی مسکین اگر کبھی ان لوگوں کے پاس سے نکل جاتا ہے اور غلطی سے مصافحہ کے لئے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیتا ہے تو ان کے ہاتھ رک جاتے ہیں، اس ڈر سے کہ ہیں اس کے میلے اور کالے ہاتھ انکے نرم و نازک ہاتھوں کو آلودہ نہ کر دیں۔

ہم لوگ اسی طرح باتیں کرتے چلے جا رہے تھے یہاں تک کہ دریا کے قریب پہنچ گئے، ہم نے دیکھا اور یہ دیکھ کر ڈر گئے کہ دریا کے دوسرے کنارے پر بہت سے لوگ جمع ہیں، ایک دوسرے کو ڈھکیل رہے ہیں انگلیاں اٹھا اٹھا کر پانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ہر طرف سے ”دوڑو پکڑو“ ”دو باڈو با“ کی آوازیں چلی آرہی ہیں ان کی یہ چیخ پکار سن کر ہم بھی اسی طرف کو دیکھنے لگے جدھر یہ لوگ اشارے کر رہے تھے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک شخص موجوں کی قربانگاہ پر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ وہ موت اور موت اس پر قابو پانا چاہتی ہے۔ جب وہ اُبھرتا تھا تو لوگوں کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتا تھا لیکن کوئی ہاتھ اسے اپنی طرف اٹھاتا ہوا نظر نہیں آتا تھا اور جب بیٹھ جاتا تھا اور پانی کی سطح اس کے اوپر سموار ہو جاتی تھی تو خود ہمیں بھی اس کی موت کا یقین ہو جاتا تھا، الغرض وہ اسی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ڈوبتا اُچھلتا رہا، یہاں تک کہ اس کے بازو شل ہو گئے اور قوتیں جواب دے گئیں اس کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں اور رنگ بدل گیا تھا۔ دیکھنے والے کچھ تو رو رہے تھے اور کچھ چیخ رہے تھے اور کچھ ایک دوسرے کی طرف اس امید میں دیکھ رہے تھے کہ کون نیک دل اور بلند ہمت شخص اس کی مدد کے لئے بڑھتا ہے ہم ابھی اسی امید و بیم میں تھے ایک شخص برہنہ تن، بھیڑ کو چیرتا لوگوں کو ہٹاتا تیر کی طرح نکلا اور دریا میں کود پڑا اور دریا کی موجوں سے لڑتا ہوا ٹھیک اس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ شخص ڈوبا تھا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے غوطہ لگایا۔ پانی طرقتا العین میں پھٹا اور وہ اس شخص کا بازو پکڑے ہوئے پانی کے اوپر لے آیا۔ لوگوں نے اس کی محنت و جرات پر آفریں کہی لیکن قبل اس کے کہ ہمارے ہوش و حواس بجا ہوں، پہلے سے بھی زیادہ خوفناک نظارہ ہمارے سامنے تھا، ہم نے دیکھا کہ

ڈوبنے والا شخص اپنے بچانے والے کو دیکھ کر کچھ دیوانہ سا ہو گیا، شاید اسے خیال ہوا کہ یہ شخص اس کے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اور اس کے بازو کو اس لئے پکڑے ہوئے ہے کہ اسے پانی کی گہرائیوں میں پہنچا کر اس کی قسمت پر آخری مہر لگا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کی اور پوری قوت کے ساتھ اس کے سینہ میں ایک گھونسا مارا، اپنی اونگھیاں اس کی گردن میں پیوست کر دیں اور اُسے اپنی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں رکھ کر کچھ اس زور سے دبایا کہ ہم تو یہی سمجھے کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئی ہوں گی۔ چنانچہ وہ خود بھی اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا اور سمجھ گیا کہ اب موت یقینی ہے۔ اس نے اسی وقت اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دئے اور کسی کا نام لیا اور اے ماجدولین شاید وہ تمہارا ہی نام تھا۔ میں کچھ نہ سمجھ سکی کہ اُس کا کیا مقصد ہے اور یہ کہن ماجدولین ہے۔ اتنے میں موجوں نے پھر ان دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور حسب معمول اتراتی ہوئی اوپر سے نکل گئیں۔ ہمارے دلوں کی دھڑکن تیز ہو گئی ہونٹ خشک پڑ گئے گلوں میں پھندہ پڑنے لگے گردنیں اونچی ہو گئیں خون کی روانی ہلکی اور جسم کے جوڑ جوڑ پھیلنے لگے کئی منٹ اسی طرح گزر گئے نہ ہوائیں سنکیں اور نہ موج اُٹھی۔ میں حیران و پریشان اپنے والد کے پاس آئی اور پوچھنے لگی: ”کیوں اباجان کیا ڈوب کر مرنے والوں کو بھی موت کی تکلیف ہوا کرتی ہے“ مجھے روتا ہوا دیکھ کر میرے والد بھی ابدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے: ”ہاں بیٹی بہت تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات تو یہ صورت ہوتی ہے کہ ڈوبنے والا پانی کی گہرائیوں میں کسی پتھر کو تلاش کرتا ہے تاکہ اس کی ایک ہی ضرب سے اپنے مصائب و آلام کا خاتمہ کر دے۔“

یہ سن کر میں ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھ گئی اور ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعائیں کرنے لگی۔ میں اپنی دعاؤں میں کھوئی ہوئی اپنے گرد و پیش سے بیخبر تھی کہ یکایک دریا کے کنارے سے پھر وہی شور اُٹھا۔ اب دریا اس شخص کو بھرا گل رہا تھا اور وہ تنہا پانی کی سطح پر اُبھر رہا تھا۔ لوگ اسے زندہ دیکھ کر اپنی اپنی طرف بلانے لگے کیونکہ اب خود اس کی اپنی زندگی خطر میں پڑ چکی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر غوطہ لگایا اور ڈوبنے والے کو کندھے پر لئے ہوئے نکل آیا اور بعد مشکل اسے کنارے تک لیجانے میں کامیاب ہوا۔ یہاں پہنچ کر وہ دونوں گر گئے اور سب لوگ انھیں سنبھالنے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ڈوبنے والے کو ہوش آگیا اور رخصت ہو گیا۔ اُس کے بعد جب سب لوگ ادھر ادھر چلے گئے تو بچانے والا شخص بھی اپنی جگہ سے اُٹھا کپڑے پہنے اور بدقت تمام بنفشتہ کے اُن پیڑوں کی طرف جو ساحل کے برابر برابر دور تک پھیلے ہوئے تھے روانہ ہو گیا اور اس کے پھول توڑ توڑ کر اپنے دامن میں جمع کر لے لگا۔

بہت ممکن ہے اس واقعہ کی یادگار میں کوئی گلدستہ بنانا چاہتا ہو۔ پس ہم لوگ اسے اسی حال میں چھوڑ کر خاموشی اور افسردگی کو اپنے ساتھ لے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ اور اے ماجدولین تمہاری ملاقات کی امید اُس روز پوری نہ ہو سکی۔

میں اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ کیونکہ جب مجھے اس واقعہ کا خیال آ جاتا ہے تو مجھے اس قدر اذیت

و تکلیف پہنچتی ہے گویا یہ سب کچھ اسی وقت میری آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ اچھا اب پھر لکھوں گی خدا حافظ“

”انکشاف“

سورج اُفق مغرب کی طرف اُترنے لگا، تاریکی روشنیوں پر چھانے لگی، خاموشی ہر طرف بڑھ چلی اور گھونسلوں میں بسیرا لینے والے پرندوں کی آوازوں کے علاوہ تمام آوازیں خاموش ہو گئیں۔ اسٹیفن اس وقت باغ میں زیرِ قون کے درختوں کے نیچے بیٹھا ہوا ماجدولین کے آنے کا انتظار کر رہا ہے، اس نے ماجدولین کے نام ایک خط لکھا ہے اور جس چیز کے اظہار سے اس کی زبان قاصر تھی اسے زبانِ قلم سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس وقت اس خط کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پڑھ رہا ہے اس کا خیال ہے کہ یہ خط کچھ زیادہ موثر و دلکش نہیں ہے اور اس کے ہر ہر جملہ میں کوئی نہ کوئی کمی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ وہ دوسرا خط لکھے گا جو اس سے زیادہ دلکش و موثر ہوگا وہ ابھی اسی خیال میں تھا کہ اس نے ماجدولین کو ہاتھ میں ایک خط لئے ہوئے اور اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ قریب کر وہ مسکرائی اور کہنے لگی:

”کیوں جناب آپ کو وہ جگہ تو یاد ہوگی جہاں سے ہنفسہ کے وہ پھول لا کر آپ نے مجھے تحفہ بھیجے تھے؟“

اسٹیفن اس سوال سے کچھ پریشان تو ہوا لیکن پھر سنبھل کر بولا:-

”جی ہاں یہاں سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک دریا ہے جس کے کنارے ہنفسہ کے بہت سے درخت لگے ہوئے ہیں“

وہ خط اس کی طرف بڑھا کر کہنے لگی لیجئے اسے پڑھئے اس میں آپ ہی کا ذکر خیر ہے، اسٹیفن نے وہ خط اس کے

ہاتھ سے لے لیا اور شروع سے آخر تک کئی مرتبہ پڑھا، یہ سوزان کا خط تھا۔ پڑھ کر اس نے خاموشی سے واپس کر دیا وہ حیران تھا کہ کیا ہے۔ آخر ماجدولین نے خود ہی اس سکوت کو توڑا اور کہنے لگی:

”اسٹیفن تم مجھ سے اپنے دل کی باتیں چھپاتے ہو۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ دریا کے اس حادثہ نے تمہارے

ساتھ کیا کیا اور تم پر کیا گزرا اور یہ اسی کا اثر تھا کہ تم اتنے دن بخار میں مبتلا رہے۔“

یہ کہہ کر اس نے اسٹیفن کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ہاتھوں کا ملنا تھا کہ دل

دھڑکنے لگے گویا بجلی کے دو تار تھے جن کے ملتے ہی فانوس روشن ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ دونوں اسی طرح خاموش

بیٹھے رہے اور کچھ نہ بول سکے۔ مگر محبت کے ان روشن نقوش کو جو ایسے وقت میں پیشانیوں پر ابھر آتے ہیں نگاہیں ضرور

پڑھتی رہتی ہیں۔ اسٹیفن نے بھی ماجدولین کے چہرے میں محبت کی تمام تر عشق کا التهاب، غم کی جھلک اور اضطراب

محسوس کیا اور اسٹیفن کے چہرے میں ماجدولین نے بھی محبت، اور اس کی جگہ گاتی ہوئی مسرتوں کو اس کی ڈبڈبائی

ہوئی آنکھوں میں دیکھ لیا، آخر کار وہ بھی ضبط نہ کر سکی اور محبت کا پہلا آنسو اس کی آنکھ سے ٹپک پڑا۔ اسٹیفن اُسے

روتا ہوا دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور انتہائی دردمندی کے ساتھ اس نے ماجدولین کا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیا۔ اس طرح شاید وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ جس محبت کا اظہار وہ زبان سے نہ کر سکتا تھا جس دردِ پنہاں کی تصریح الفاظ سے ممکن نہ تھی اور جس آتش شوق کی لیٹیں اس تک نہ پہنچ سکیں تھیں وہ اسے خود محسوس کر لے، اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اس کے بعد وہ اس کے قدموں پر جھک گیا اور کہنے لگا:۔

”کیوں ماجدولین کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟“

مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے پھر وہی سوال کیا لیکن وہ پھر بھی خاموش رہی اب اسے نہایت ہی عاجزی سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور کہنے لگا:

”اے ماجدولین رحم کرو، مجھے ڈر ہے کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں، اور یہ سب کچھ میرے ان خیالات کا پر تو تو نہیں جو خوابوں ہی میں میرے لئے وجہ سکون و سامان مسرت ہوا کرتے ہیں درج بیدار ہوتا ہوں تو طعنہ نایافت کے علاوہ کچھ بھی میرے پاس نہیں ہوتا۔ لہذا اے ماجدولین آج تم مجھ سے محبت کا اقرار کر لو تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ تم میرے سامنے موجود ہو اور میں خواب نہیں دیکھ رہا ہوں۔“

وہ دونوں بہت دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے اور زندگی کی یہ ساعتیں کس قدر قیمتی تھیں، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اپنے زمانہ شباب میں یہ مبارک دن کبھی نصیب ہوا ہو، اس وقت انھیں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ دنیا اور اسکے ہنگامہ سے گزر کر عافیت و سکون کے ایک ایسے گوشہ میں پھر پہنچ گئے ہیں جو جنت سے کم نہیں ہے، اور اس وقت ان کی رو میں قید جسم سے آزاد ہو کر فضا، بسیط میں کبھی آسمانوں پر سیاروں کی حرکت مشاہدہ کرتی ہیں اور کبھی فرشتوں کی صفوں سے گزر کر ان کی تسبیح و تہلیل کو اپنے کانوں سے سنتی ہیں اور کبھی فردوس میں پہنچ کر اس کے لولہ و مرجان کو پرکھتی اور اس کے باغ میں تفریح کرتی پھرتی ہیں۔

وہ اسی طرح عالم بخودی میں کھڑے ہوئے تھے کہ ماجدولین نے جنفیان کے پکارنے کی آواز سنی، وہ اٹھ بیٹھی اور ”کل اسی وقت اسی جگہ پھر اوں گی“ کہتی ہوئی اس نے اسٹیفن کی طرف رخصت کا ہاتھ بڑھایا، اس نے بھی اپنی محبت میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کی طرف اپنا ہاتھ پھیلا دیا، وہ چلی گئی اور وہ اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ اس کے دوپٹے کا آخری سرا بھی اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا۔

اسٹیفن کچھ دیر تو اسی جگہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا جیسے ابھی تک ماجدولین اس کے سامنے بیٹھی ہے، لیکن جب دروازہ بند ہونے کی آواز اس کے کانوں میں پہنچی اور اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل تنہا ہے۔

ماجدولین کے چلے جانے کے بعد اسٹیفن کا جہر کو منہ اٹھا نکل گیا، وہ اس وقت بڑی تیزی سے چلا جا رہا تھا

اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آج وہ آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، میدانوں اور دریاؤں بلکہ کائنات کے ہر ہر ذرہ کو اپنی خوش نصیبی اور مسرت پر گواہ بنانا چاہتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سعادت جو اسے نصیب ہوئی ہے اس کی طاقت برداشت سے باہر ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ہر اس شخص سے جو اسے راستہ میں ملے اپنا قصہ سناے اور اپنی خوش بختی کا کچھ حصہ اسے بھی بخش دے۔

وہ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرا اور انھیں اپنے آس پاس جمع کر کے ایک ایک کو پیار کرنے لگا اور جو کچھ اسکی جیب میں تھا وہ سب تقسیم کر دیا اور اگر اس کے پاس آج کائنات کے پوشیدہ خزانوں کی کنجیاں ہوتیں تو ان لمحات محبت کی یاد میں وہ ان خزانوں کو نٹا دیتا اور صفحہ زمین پر کسی کو بد قسمت اور بد نصیب نہ رہنے دیتا۔

وہ اسی طرح تاریکی کے پردوں کو چیرتا چلا جا رہا تھا کہ باغ کے دروازہ کو کھلا ہوا دیکھ کر اس میں داخل ہو گیا اور اُسی جگہ جا کر بیٹھ گیا جہاں اب سے کچھ دیر پہلے بیٹھا ہوا تھا اور ماجدولین کے کمرے کی اس روشنی کو جو پردے میں سے چھن چھن کر آرہی تھی دیکھنے لگا۔

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا وہ اس کے اُٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ اور کتاب کے ورق لوٹنے کی آواز سن رہا ہے۔ وہ بیٹھا رہا یہاں تک کہ روشنی گل ہو گئی اور وہ اپنے کمرے میں واپس آکر ایسی میٹھی میند سویا اور ایسے ایسے دلفریب خواب دیکھے جو بچپن کے بعد سے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

”اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام“

”میں جس جگہ کل تمہارے سامنے کھڑا تھا اُس کی یاد اب تک میرے ذہن میں تازہ ہے اور اس وقت بھی میرا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا ہوا ہے اور میں اپنے دل کو تلاش کر رہا ہوں اور ڈر رہا ہوں کہیں اس مسرت کی تاب نہ لا کر میرا دم نہ لٹھے لگے۔ اے ماجدولین، حُسن و جمال کی وہ نعمت جو خدا نے تمہیں بخشی ہے مجھے نہیں دی ہے۔ اور دلکشی و لطافت احساس کا جو زیور تمہیں ملا ہے میں اس سے عاری ہوں، اس لئے اے ماجدولین اگر تم نے مجھ سے محبت کی ہے تو یہ ایک ایسے شخص کی محبت ہے جو نو جوانوں کی بعض پسندیدہ خوبیوں سے خالی ہے اور اس کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمہاری طرف اسی وسیلہ سے پہنچ سکے جس وسیلہ سے تم اس کی طرف پہنچے ہو، یا اُس سعادت کے بدلے تمہیں حاصل کر سکے جو تم نے اسے بخشی ہے۔ پس اگر تم سمجھتی ہو کہ پُر خلوص محبت، پاس عہد اور خالص جان سپاری جس میں تاسف و شرمندگی کی آمیزش نہ ہو کچھ ایسی باتیں ہیں جن سے محبت کی جا سکتی ہے تو اے ماجدولین، میں یہ سب چیزیں تمہاری جناب میں پیش کرتا ہوں۔ تم میری طرف سے انھیں قبول کر لو اور کہ دو کہ تم نے اسے قبول کر لیا ہے۔“

عمر

اسٹیفن نے یہ خط اپنے ہاتھ سے ماجدولین کو دیا، وہ اسے دیکھ کر گہرا گئی اور بڑی حیرت سے اُسے دیکھنے لگی، لیکن جب اسٹیفن نے اپنی ملتجی اور جسم طلب نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ خط اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہنے لگی:

”اے اسٹیفن، کیا یہ صحیح ہو جیسا کہ سوزان نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ جس وقت تم اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے اس وقت آخری لفظ جو تمہاری زبان سے نکلا وہ میرا نام تھا۔“
اس نے کہا ”ہاں! اور یہ اسی نام کی برکت تھی کہ مجھے موت سے نجات مل گئی۔“
ماجدولین بولی:

”اے اسٹیفن، یہ ضرور ہے کہ تمہیں اس حادثہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں، لیکن اس واقعہ کے بعد سے تمہارا شمار دنیا کے محسنین میں ہونے لگا ہے۔“ اس نے کہا ”نہیں یہ بات تو نہیں ہے، لیکن اے ماجدولین اس روز میرے اوپر جو کچھ گزرا وہ حقیقت میں میری قوت برداشت سے باہر تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا میں کسی گڈھے میں گرتا چلا جا رہا ہوں مگر جب میں نے تمہیں یاد کیا تو تمہاری یاد نے مجھے عجیب راحت بخشی اور میں جب کبھی بھی اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ تم ہی میری نجات کا سبب تھیں۔ کنارے پر پہنچ کر میں نے وہ چند پھول جمع کئے تھے جو تمہارے اس احسانِ عظیم کی یاد میں تمہیں بھیجے تھے۔“
یہ سن کر ماجدولین نے جیب میں سے جوہی کے پھولوں کا ایک گلدستہ نکالا اور کہنے لگی:

”آج صبح میرے والد نے میرے لئے یہ چند پھول جمع کئے تھے اور میں تمہاری اس پیشکش کے جواب میں یہ گلدستہ تمہیں نذر دینے لائی ہوں۔“
اسٹیفن نے وہ گلدستہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے توڑ کر اس کے پھولوں کو اپنے سامنے بکھیر دیا اور پھر انھیں ایک نئے دھاگے میں گول حلقے کی شکل میں گوندھنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک خوبصورت تاج کی طرح ہو گیا۔ پھر اسے ماجدولین کے سر پر رکھ کر کہنے لگا کہ:

”جو شخص بھی اس چمکتے ہوئے تاج کو اس روشن پیشانی پر دیکھے گا یہی کہیگا کہ شادی کا سہرا دلہن کے سر پر بندھا ہوا ہے۔“
اس جملے نے ماجدولین پر بہت گہرا اثر کیا اور اس نے شرمناک گردن نیچی کر لی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب سر اٹھایا تو دو خوبصورت اور چمکدار آنسو اسکی آنکھوں میں چمک رہے تھے، اسٹیفن کہنے لگا:

”ہائیں، اے ماجدولین، کیوں روتی ہو، اس دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو میرے اور تمہارے درمیان جائل ہو سکے۔“

ماجدولین بولی :

”میں تو محبت کے خوف سے روتی ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک غریب بے ماں کی لڑکی ہوں اور ہر اس لڑکی کی طرح جو اپنی ماں کی محبت سے محروم ہو چکی ہو، مسرت کے خیال سے کانپ اٹھتی ہوں“

اسٹیفن بولا :

”اے ماجدولین محبت سے نہ ڈرو، یاد رکھو، جس خدا نے سورج کو چمک، پھولوں کو مہک اور آنکھوں کو نور بخشا ہو اسی خدا نے دلوں کو درد محبت دیا ہے اس لئے اے ماجدولین تم میری طرف اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور میرے ساتھ ساتھ قسم کھاؤ کہ ہم کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور اگر بد قسمتی سے ہمیں کسی روز جدا ہونا پڑا تو وہی دن ہماری زندگی کا آخری دن اور وہ فراق ہمارا دائمی فراق ہوگا“

چنانچہ ماجدولین نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور دونوں نے محبت کی قسم کھائی

”اسٹیفن کی طرف سے ماجدولین کے نام“

”میں نے تمہیں بہت بہت لکھا، لیکن تم نے تو مجھے تھوڑا یا بہت کچھ بھی نہ لکھا، غالباً دوسری لڑکیوں کی طرح تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ وہ عورت جو اپنے حبیب کو محبت کا خط لکھتی ہے وہ یا تو گنہگار ہے یا جو ہر شرافت سے خالی ہے، لیکن اس کے برخلاف میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو یہ اس کا تصنع ہے۔ کیونکہ وہ لڑکی جو اپنے دل کو فاصلے محبت کے زیر اثر واقعی اور حقیقی طور پر کسی کے نذر کر چکی ہو، وہ اسے عیب نہیں سمجھ سکتی کہ اپنے حبیب کو اسی طرح خط لکھے جس طرح وہ اس سے باتیں کیا کرتی ہے۔

اظہار محبت میں احتیاط درحقیقت ان عورتوں کا طریقہ ہے جو ہر روز اپنے لئے ایک نیا شخص تلاش کرتی ہیں اور پوری دیانتداری کے ساتھ اسے یقین دلاتی ہیں کہ اس سے پہلے ان کی آغوش محبت کبھی کسی دوسرے شخص کے لئے نہیں کھلی تھی، کیونکہ وہ ڈرتی ہیں کہ مبادا آج وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں جو کل ان کے حق میں ان کے بازار کو سرد کر دے لیکن شریف عورتیں، بہت بلند ہوتی ہیں ان کا عشق کامل اور محبت سچی ہوتی ہے وہ جو بات زبان سے کہتی ہیں اس کو لکھ بھی سکتی ہیں۔

اے ماجدولین، جو شخص تمہاری باتوں کو نہاں خانہ دل میں چھپا سکتا ہے وہ تمہارے خطوط کی حفاظت بھی کر سکتا ہو اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص تمہارے خطوط پیش کر کے تمہیں بدنام کرنے کی کوشش کرے، وہ میرے علاوہ کوئی اور شخص ہوگا اور جو لڑکی اس بات پر راضی ہو جائے کہ اپنے دل کو ایک ایسے شخص کی نذر کر دے جو عورتوں کے بھیدوں سے تجارت کرنے کا خواہشمند ہو وہ تمہارے علاوہ کوئی دوسری لڑکی ہوگی۔

”سمندر“

اس کے بعد ایک زمانہ گزر گیا کہ ماجدولین اور اسٹیفن کبھی گھر میں کبھی باغ میں، کبھی جنگل میں اور کبھی دریا کے کنارے برابر ایک دوسرے سے ملتے رہتے، اکثر وہ دونوں بنفشہ کی جھاڑیوں کے پاس بیٹھ جاتے اور دریا کے حادثہ کا ذکر اور اس گلدستہ کی یاد ان کی گفتگو کا موضوع بن جاتی اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ دونوں ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار ہو کر سمندر کی سیر کو نکل جاتے۔

چنانچہ ایک روز وہ دونوں کشتی میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کو روانہ ہوئے، شام ہو چکی تھی اور ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخ چادر اُفق مغرب پر پھیلی ہوئی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ سورج غروب ہو گیا اور چاند نمودار ہو کر اسکی نیابت کے فرائض انجام دینے لگا۔

وہ دونوں اس دلچسپ نظارہ سے متاثر ہو کر سمندر کو غور سے دیکھنے لگے۔ سمندر کا پانی آئینہ کی طرح شفاف تھا اور ہوا بہت لطیف تھی، سناٹا ہر طرف چھایا ہوا تھا اور سمندر میں گرتے ہوئے پانی کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ چاند خوب روشن تھا اور تاریکی کے پردے اُٹھ چکے تھے۔ اور اس کی نیلگوں شعاعیں کشتی، سمندر ساحل اور آس پاس کی تمام چیزوں پر برس رہی تھیں۔

یہ دلفریب نظارہ، یہ ہمگیر خاموشی اور یہ مکمل تنہائی کچھ اس درجہ بے اختیار کر دینے والی تھی کہ انھوں نے کشتی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا، اور باتوں میں مصروف ہو گئے۔

اسٹیفن، ماجدولین سے کہہ رہا تھا:

”اے ماجدولین، سیرا دل چاہتا ہے کہ آئندہ ہمارا گھر کسی دریا کے کنارے ہو، اور ہمارے پاس اس سے ذرا بڑی ایک کشتی ہوتا کہ چاندنی راتوں میں ہم اس میں بیٹھ کر دریا کی سیر اور پھیلیوں کا شکار کیا کریں، اس کے علاوہ میری یہ تمنا بھی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک چھوٹا سا باغ ہو جس میں ہم اپنی خواہش کے مطابق انگوروں کی بلیں، پھلوں کے درخت اور پھولوں کے پودے لگایا کریں، اور بنفشہ کے درخت تو میں خود تمھارے لئے اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا اور پھر گھر کے متعلق میرا ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس میں دو طبقے ہونا چاہئیں، بالائی منزل میں چار کمرے ہوں، ایک نہانوں کے لئے، دوسرا کتابوں کے لئے، تیسرا کپڑوں کے لئے“ یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے رکا اور پھر کہنے لگا اور چوتھا کمرہ صرف تمھارے اور میرے لئے“

ماجدولین بولی:

”لیکن تم دو اور کمروں کا ذکر کرنا بھول ہی گئے ایک تمھارے بھائی اور دوسرا میرے والد کے لئے“

اسٹیفن نے کہا:

”بیشک یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ بالائی منزل میں چھ کمرے ہوں، اور نیچے کے طبقہ میں ایک کمرہ کھانے کا، دوسرا سامان کا اور تیسرا ملازمین کا ہو، مگر ایک حمام ہونا بھی ضروری ہے اور ایک ایسے کمرے کی بھی ضرورت ہے جو گھر کی بعض دیگر ضروریات کے لئے خالی رہے۔“

ماجدولین کہنے لگی:

”لیکن ایک بات آپ پھر بھول گئے، باغ اسی وقت خوشنما ہو سکتا ہے جب اس کے درمیان ایک چھوٹا سا فوارہ بھی ہو جس سے صاف و شفاف پانی اُچھلتا اور قطرے ہو ہو کر پھیلتا رہے۔“

اسٹیفن بولا:

”تم ٹھیک کہتی ہو، ہم اس حوض میں رنگ رنگ کی مچھلیاں بھی پالیں گے۔ لیکن اے ماجدولین، ہمیں اُس کے چاروں طرف کافی بلند جنگلات کا نا پڑے گا، ورنہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچوں کی پوری طرح حفاظت نہ ہو سکے گی۔“

یہ سن کر ماجدولین شرمائی، اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی اور رونے لگی۔

اسٹیفن گھبرا گیا اور کہنے لگا:

”اے ماجدولین، کیوں رو رہی ہو۔“ اس نے کہا:

”اے اسٹیفن، زمانہ بہت بخیل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتیں کسی ایک شخص کو نہیں دے سکتا۔ مجھے ڈر ہے کہ میں ہم اپنی ان آرزوں میں ناکام نہ ہوں اور اپنے مستقبل کے اس تصور میں غلطی پر نہ ہوں۔ اس لئے میں تو یہ کہتی ہوں کہ زمانہ اگر آئندہ کسی وقت بھی ہمارے اور ہماری مسرتوں کے درمیان حائل ہو سکتا ہے تو وہ اسی وقت اپنا بیرحم ہاتھ ہماری طرف بڑھا کر اُس وقت سے پہلے ہی ہماری رگوں کو نکال لے تاکہ موت کی تلخی ہمارے لئے کچھ ہلکی ہو جائے۔“

اسٹیفن بولا: ”اے ماجدولین، ڈرو نہیں زمانہ کا بیرحم ہاتھ دو محبت کرنے والوں کو اس وقت تک برباد نہیں کرتا جب تک کہ محبت کرنے والے خود ہی اس چیز کے خواہشمند نہ ہوں، اس لئے مایوس نہ ہو تاکہ میں تمہاری محبت و قوت کی طاقت سے جبری ہو کر مصائب کو دعوتِ مقابلہ دے سکوں۔“

یہ سن کر وہ چپ ہو گئی اور پھر دریا اور اس میں کشتی کی روانی کو دیکھ کر کہنے لگی: ”اگر انسان اپنے لئے ہر چیز کی تمنا اور خواہش کر سکتا تو میں یہی تمنا کرتی کہ یہ راستہ جس پر ہم اس وقت چل رہے ہیں ابدیت اور دوام کا راستہ ہوتا اور یہ کشتی جو ہمیں لئے ہوئے بہتی چلی جا رہی ہے اس وقت تک کہیں نہ رکتی جب تک آسمان کے دروازوں میں داخل نہ ہو جاتی۔“

اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی: ”اے اسٹیفن اب بس کرو، چاند چھپنے کے

قرب ہے اور میں اسے چھپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ ڈرتی ہوں کہیں اس کے چھپتے ہی ہماری مسرتوں کا چاند بھی نہ چھپ جائے۔“

یہ سن کر وہ بھی اس کی طرف خاموش اور غم آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا خود اس کا دل بھی انہیں خطرات کا جولا نگاہ بنا ہوا ہے، چنانچہ وہ اٹھا اور پتوار اٹھا کر کشتی کا رخ پھیر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کنارے پر پہنچ گئے اور جب جدا ہونے لگے تو اسٹیفن نے ماجدولین کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے قریب لاکر چومنا چاہا، لیکن جب وہ اس پر راضی نہ ہوئی تو اس کی پیشانی چوم لی۔ ماجدولین کا پننے لگی اور اسٹیفن پر ایک نگاہ خشم آلود ڈالتی ہوئی لوٹ گئی۔

”ماجدولین کی طرف سے اسٹیفن کے نام“

”اے اسٹیفن یہ تم نے کیا غضب کیا۔ گزشتہ رات میرے صبر و سکون کو لوٹا لیا۔ میں جب خیال کرتی ہوں کہ تم نے میری پیشانی کو داغدار بنا دیا تو میری حالت دگرگوں ہو جاتی ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اب بھی میری پیشانی پر دکھنا ہوا انگار رکھا ہے، افسوس میری کتاب زندگی کا جو ورق کل رات سے پہلے آئینہ کی طرح شفاف تھا، آج میں اس میں ایک سیاہ دھبہ دیکھ رہی ہوں، میں نے اس کی دھونے مٹانے اور دور کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی رات بھر میری آنکھوں سے جوئے خون بہتی رہی ہے اور تمام شب میں جناب باری میں سر بسجود رہی ہوں، معلوم نہیں میرا کیا حشر ہوا اور اس جہنم کی پاداش کیا ملے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس سیاہ پیشانی کو لیکر قیامت میں کس طرح خدا کے سامنے ہوسکوں گی اور اپنی یہ گناہگار صورت کیونکر دکھا سکوں گی۔“

اگر میں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی نہ دے لیتی کہ اس گناہ کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہے اور میری رضا و رغبت اس میں شامل نہ تھی تو یقیناً میں خودکشی کر چکی ہوتی، اے اسٹیفن آئندہ اس قسم کی جرأت کبھی نہ کرنا، ورنہ خوب سمجھ لو مجھے زندہ نہ دیکھ سکو گے۔

”اسٹیفن کی طرف سے ماجدولین کے نام“

”اس سے پہلے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ لڑکی جو محبت کرتی ہے اور خلوص و صداقت کے ساتھ پیمان وفا باندھتی ہے اپنے محبت کرنے والے کے پیار سے اس قدر مکدر ہو سکتی ہے۔ حالانکہ وہ پیارا اس پیار سے کہیں زیادہ معصوم ہوتا ہو جو ایک بھائی اپنی بہن کی پیشانی کو چوم کر ظاہر کرتا ہے۔“

اے ماجدولین میرا خیال ہے کہ تم نے یہ سمجھ کر کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے خود اپنے آپ کو دھوکہ دیا ہے، کیونکہ تمہیں مجھے محبت نہیں ہے۔

اب مجھے معلوم ہوا کہ تمھاری آنکھوں کا میرے سامنے اشک آلود ہونا، تمھارے ہاتھ کا میرے ہاتھوں میں کا پنا اور تمھارے دل کی تڑپ کا مجھے دیکھ کر سوا ہو جانا، کچھ اس لئے نہ تھا کہ تمھیں مجھ سے محبت ہے بلکہ صرف اس لئے کہ تم مجھ سے ملتے ہوئے ڈرتی ہو۔

تم مجھ سے کہتی ہو کہ رات بھر تم ایک عذاب الیم میں مبتلا رہیں، نہ چین سے لیٹیں نہ سو سکیں، لیکن میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اس رات سے زیادہ مبارک رات اپنی زندگی میں کبھی بسر نہیں کی، کیونکہ تمام رات میں تمھاری پیشانی سے چنے ہوئے پھولوں کی یادیں محو رہا۔

اے ماجدولین مجھے معاف کرنا، میں نے تمھاری پیشانی کو اپنے ہونٹوں سے اگر آلودہ کیا تو صرف اس خیال سے کہ میں تمھیں اپنا شریک زندگی سمجھتا تھا، میرے نزدیک صدق و اخلاص کے اُس عہد و پیمان میں جو خلوتِ مکدہ محبت میں کیا جاتا ہے اور شادی کے اُس اقرار میں جو کسی کاہن کے سامنے ہو، کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

میں اُس مختصر مسرت کے لئے جو تمھاری محبت کی رہیں منت ہے تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت تک میں نے اس عہد کو جو تم سے کیا تھا نہیں توڑا ہے اور تم کو ہمیشہ محبت کی اسی نگاہ سے دیکھتا رہوں گا، کیونکہ میری محبت کچھ تمھاری محبت کا جواب نہ تھی اور نہ اس لئے تھی کہ تم بہت خوبصورت ہو، بلکہ اے ماجدولین، میری محبت صرف محبت کے لئے تھی اور بس۔“

”ماجدولین کی طرف سے اسٹیفن کے نام“

”اسٹیفن مجھے معاف کر دو، یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ تم میرے خط سے اتنا گہرا اثر قبول کر دو گے، یا میرے مختصر سے الفاظ تمھارے لئے اتنا وسیع مفہوم پیدا کر دیں گے۔ خیر مجھے معاف کر دو میں غلطی پر تھی۔ خدا گواہ ہے میں نے یہ سب کچھ تمھارے لئے کہا تھا۔ آج اگر میں نے اپنے آپ کو تم سے بچا یا تو اس لئے کہ کل کو اسے تمھارے حوالہ کر دوں، آج تم میرے محبوب ہو اور کل میرے شوہر ہو گے اور میں اپنے محبوب سے یہی چاہتی ہوں کہ وہ مجھے میرے شوہر کے پاس پاک و صاف بھیجے جس کو دُفرب کا ذکر تم نے اپنے خط میں کیا ہے اس کے متعلق میرا یہ اعتقاد ہے کہ تم میرے متعلق ایک ایسی بات کہہ رہے ہو جس کے غلط ہونے کا خود تمھیں بھی یقین ہے۔ لیکن چونکہ تم غصہ میں ہو اس لئے اپنے علم و ضمیر کے خلاف کہہ رہے ہو۔“

”مولر کا خط اسٹیفن کے نام“

”میں تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں، اور ندامت سے میرا ہاتھ کانپ رہا ہے، غم و اندوہ سے میری روح بچپن ہے۔ میں کبھی یہ خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ میری زندگی میں کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب میں اپنے ایک ایسے دوست سے جس کی انتہائی عزت

کرتا ہوں یہ کہنے پر مجبور ہوں گا کہ میں آج سے اسے اپنے گھر میں خوش آمدید نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جس گھر میں میں اور میری بیٹی ہو اس میں وہ اپنی سکونت برقرار رکھے۔ مجھے اپنی شرافت کا پاس دوستوں کی دوستی سے کہیں زیادہ لیکن اس کے باوجود میں تم سے بھی امید کرتا ہوں کہ میری طرح تم بھی مجھے اپنا مخلص دوست سمجھتے رہو گے اگرچہ زمانہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر رہا ہے۔“

”گفتگو“

ماجدولین اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی اپنے لباس کی طیاری میں مشغول تھی، شاید وہ اپنی شادی کے لئے کوئی کپڑا تر کر رہی تھی کہ اس کی سوئی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی، اس نے سر اٹھایا تو اپنے والد کو دروازے میں کھڑا دیکھا۔ وہ نہایت اطمینان سے ماجدولین کی طرف بڑھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا:

”اے ماجدولین تمہیں خبر ہے میں نے ابھی جنفیاں کو ایک خط دیکر اسٹیفن کے پاس بھیجا ہے۔ آج سے میں نے اسے اپنے گھر آنے سے روک دیا ہے بلکہ اس مکان میں رہنے سے بھی منع کر دیا ہے۔“ ماجدولین بولی: ”مجھے ان باتوں کی مطلوبہ خبر نہیں اور نہ مجھے یہ معلوم کہ آپ نے ایسا کیوں کیا“

مولر نے کہا: ”اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔“ اس نے کہا: ”نہیں وہ مجھے محبت تو نہیں کرتا ہاں مجھے شادی کرنے کا خواہشمند ضرور ہے۔“ مولر بولا: ”مگر ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تمہارے شوہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ماجدولین نے کہا: ”میں جانتی ہوں کہ اسے آپ نے اپنی دوستی کا شرف بخشا ہے، اور آپ اس کی شرافت اور علمی قابلیت کے بھی بہت مداح ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ آپ اپنی دوستی کے لئے تو اس کا انتخاب کر لیتے ہیں لیکن وہ آپ کی لڑکی کا شوہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا“

مولر نے کہا ”ہاں“ میں اسے اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ ایک نیک نفس اور خوش دماغ انسان ہے، لیکن اسے اپنا داماد نہیں بنا سکتا کیونکہ وہ فقیر اور تہیدست ہے۔ آج مجھے اس کا ایک خط پڑا ہوا ملا ہے اور میں اسے پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں کہ وہ خود زندہ رہ سکے، چہ جائیکہ وہ کسی اور کا بار اٹھا سکے۔“

ماجدولین کہنے لگی: ”آپ ہی نے تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ ایک ہونہار اور سمجھدار نوجوان ہے اور ایسا شخص مصروف زندگی میں کبھی بے دست و پا نہیں ہو سکتا۔“

مولر نے کہا: ”میں نے اس کے اخلاق و عادات میں خود داری اور خود پروری کی وہ جھلک دیکھی ہے جو اسکے اور اس کی کامیابیوں کے درمیان ہمیشہ حائل رہے گی۔“

ماجدولین بولی: ”شاید آپ واقف نہیں کہ محبت اخلاق کی ہر کجی کو درست کر دیتی ہے اور بہت سی مردہ مٹاؤں کو

یات تازہ بخشی ہے، اس لئے اگر آپ نے ایسا کیا تو یقین کیجئے اس کی زندگی کی تباہی آپ کے سر ہوگی اور اس کی امیدوں کا
ن آپ کی گردن پر ہوگا۔“

”مولر نے کہا: ”اے بیٹی لوگوں کے عادات و اخلاق اور انسانی نفسیات سے جس قدر میں واقف ہوں نہیں سکتیں
شخص سے شادی کر کے میں تمہارے مستقبل کو برباد نہیں کر سکتا۔“

ماجدولین یہ سنکر اس کے سامنے جھک گئی اور رونے لگی لیکن اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا، آخر
تھک گئی اور اس کے قدموں پر گر پڑی اور مولر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ ”آج جس چیز کو تو نہیں سمجھتی کل
سے سمجھو گی۔“

خبر

جس وقت جنسیات، اسٹیفن کے کمرے میں داخل ہوئی وہ چراغ کی دھیمی روشنی کے سامنے بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔
جنسیات نے وہ خط اس کے ہاتھ میں دیا اور اُلٹے پاؤں واپس آئی۔

اُس کے نام یہ مولر کا پہلا خط تھا، وہ لفافہ چاک کر رہا تھا اور اس کا ذہن مختلف خیالات کا جولا لنگاہ بنا ہوا تھا۔ گریہ
اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ اسے اس طرح لکھ سکتا ہے۔ لیکن خط پر ایک نظر ڈالتے ہی حقیقت روشن ہو گئی۔
اگر کسی تیر انداز کا کوئی تیر اس کے سینہ کے پار ہو جاتا تو شاید اس کی وہ کیفیت نہ ہوتی جو اس خط کو پڑھ کر ہوئی اس پر
مہ طاری ہو گیا، اس کی آنکھوں کی جنبش ختم ہو گئی، دل نے دھڑکنا اور نبضوں نے تڑپنا بند کر دیا۔ اگر کوئی شخص اس کو اس
ت میں دیکھتا تو وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچتا کہ موت و حیات کے درمیان کوئی ایسی منزل بھی ہے جہاں احساسات کی روانی اگرچہ
تو نہیں ہوتی لیکن محسوسات کو دماغ تک پہنچانے کی قوت ضرور ختم ہو جاتی ہے۔

کچھ دیر وہ اسی طرح خاموش لیٹا رہا، پھر مرغ بسل کی طرح تڑپنے لگا۔ وہ گہرا گہرا دھردھر دیکھ رہا تھا گو یا کسی کھوئی
چیز کو تلاش کر رہا ہے کہ اس کی نگاہ مولر کے خط پر پڑی جو اس کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اسے اٹھا کر دوبارہ پڑھنے لگا
اس نے اپنی پیشانی پر ایک ہاتھ مارا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا:

”افسوس اُمید کا جو ایک سہارا تھا آج وہ بھی ختم ہوا۔ میں بھی موجود ہوں اور یہ خط بھی میرے سامنے ہے نہ میں
ب دیکھ رہا ہوں اور نہ یہ خط ہی دھوکہ دے رہا ہے۔ بیشک آج مولر نے مجھے اپنے گھر سے نکال کر میری تمام امیدوں کو ختم
یا۔ اس نے ماجدولین کو مجھ سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ میری روح کو میرے جسم سے جدا کر دیا۔ اس نے یہ سب کچھ کیا، لیکن اسے
بر نہیں کہ اس نے کیا کیا۔

اس نے میرے اوپر مصیبت کا وہ پہاڑ توڑا ہے جو کبھی کسی نے کسی پر نہیں توڑا۔ وہ جانتا ہے کہ میں فقیر اور تنہا ہوں۔

ہوں اور اس کے خیال میں فقیر ہونا ایک جرم ہے جس کی سزا قتل ہے لہذا اس نے مجھے قتل کر دیا۔“

یہ کہتے کہتے اس پر ایک مجنونانہ کیفیت طاری ہونے لگی۔ وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھا (ایسا معلوم ہوا ہاتھ لگایا مولا اس کے سامنے موجود ہے) اور ایک قہر آمیز انداز میں اُس کی طرف بڑھا اور اس طرح گرجنے لگا:

”اے بیوقوف بڑھے ٹھہر جا، شاید تو نے مجھے بھی کوئی ناتواں بکری سمجھ رکھا ہے کہ اپنے آپ کو تیری تیز چہری کے حوالے کر دوں گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، مجھے ایسی تمناؤں کی ضرورت ہے جس کے سہارے زندہ رہ سکوں، اور میں ان کو حاصل کرنے کی اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک میں اسے حاصل نہ کر لوں یا اس کے حصول میں اپنی جان نہ دیدوں۔ اے شخص تیرا خیال غلط ہے تو محبت کے مقدس رشتہ کو کاٹنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھتا۔ بیشک تو مجھے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے، کیونکہ تو اس گھر کا مالک ہے اور تو اپنی بیٹی کو بھی اپنے کمرے میں مقید کر سکتا ہے اس لئے کہ تو اس کا باپ ہے۔ لیکن ہمارے دلوں کو باہمی محبت سے روکنا اور ہماری روحانی مواصلت میں حائل ہونا تیری قدرت و اختیار سے باہر ہے۔“

تو بڑا حریف اور لالچی ہے۔ تو دیکھ رہا ہے کہ تیری زندگی کا پانی اب خشک ہونے والا ہے اور تو ہماری طرف اسلئے بڑھ رہا ہے کہ ہماری نئی اور تروتازہ زندگی کو تقسیم کرے۔ تیری مثال اس ظالم بادشاہ کی سی ہے جو بچوں کا خون اس لئے پیا کرتا تھا کہ ان بچوں کی زندگی جس قدر کم ہوگی اُسی قدر اس کی زندگی بڑھے گی۔

تو نے اپنے خط میں اخوت، محبت اور صداقت و خلوص کا ذکر بھی کیا ہے اور گھر میں نہ گھسنے کا حکم امتناعی مجھے اس طرح لکھ رہا ہے گویا دعوتِ ولیمہ کا کوئی کارڈ ہے، تو ایک ایسے شخص کی تعظیم و تکریم کے لئے اپنی ٹوپی اتار رہا ہے، جس کے خون سے تو اپنے خنجر کو آلودہ کرنا چاہتا ہے۔“

یہ کہتے کہتے وہ تھک گیا، زمین پر منہ کے بل گر پڑا اور بچوں کی طرح رونے لگا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فریاد کرنے لگا:

”خدایا! مجھ پر رحم کر۔ تجھے معلوم ہے کہ میں ایک کمزور انسان ہوں جس کا مددگار اور دستگیر کوئی نہیں، تو ہی میری دستگیری کر اور مدد کو پہنچ، خداوند! مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر تیری جنابِ قدس میں سوء ادب کا باعث ہوا ہوں اور جانتا ہوں کہ اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ کر کے ایک بڑے گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ بیشک میں تیرے قصا و قدر کو بھول گیا اور لاریب مجھے یاد نہیں رہا کہ نیک نیتی و بر ختی کے بغیر اپنے لئے اپنے کی طاقت تیرے علاوہ کسی میں نہیں۔ میں اپنے لئے مستقبل کی تمام سعادتیں اور برکتیں میٹھے بیٹھا ہوں۔ اللہ کے ان میں سے کسی ایک کا بھی مانگ نہیں ہوں۔ اور نہ تیری امداد و اعانت کے بغیر ان تک دستِ رسمی مانگ رہا ہوں۔“

میرے مالک میرے گناہوں کو بخش دے اور اس مصیبت میں میری مدد کر۔ میری قوتیں جواب دیر ہی ہیں اور دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے۔“

طوفان آنے کے بعد جس طرح سمندر خاموش ہو جاتا ہے، اسٹیفن بھی اس ہزیان کے بعد بہت دیر تک صامت و ساکت بیٹھا رہا۔ اس کے ہاتھ اب بھی پھیلے ہوئے تھے اور سر آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا، شاید وہ کسی ندائے غیبی کا منتظر تھا۔

کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے اندر سے اس نے کسی نورانی چیز کو اپنے سامنے چمکتے ہوئے دیکھا۔ چراغ پہلے ہی خاموش ہو چکا تھا اور اب صرف چاند کی کرنیں اس کے کمرے میں اپنا عکس ڈال رہی تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے آنے والی چیز کو دیکھا تو وہ ماجدولین تھی۔

”رخصت“

ماجدولین اپنے والد کے چلے جانے کے بعد اپنے کمرے میں پڑی ہوئی اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتی رہی۔ اسے اپنی زندگی کی تاریک اور بھیاں تک راتوں میں کوئی روشن ستارہ یا امید کی کوئی ہلکی سی کرن تک نظر نہیں آتی تھی۔ وہ برابر روتی رہی یہاں تک کہ رات کا بیشتر حصہ گزر گیا اور صبح قریب آگئی، اس وقت اس نے ایک فیصلہ کیا اور دبے پاؤں اٹھ کر چلی۔ محبت کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک رہی تھی اور اس کے دل کی دھڑکن سے زمین کا سینہ دھڑک رہا تھا وہ زینے کے قریب پہنچ کر رک گئی لیکن پھر آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔ اس کے بعد وہ اسٹیفن کے کمرے کی طرف بڑھی اور کمرے کے دروازے کو تھوڑا سا کھول کر اندر جھانکنے لگی، اس نے دیکھا کہ اسٹیفن دو زانو بیٹھا ہوا دُعا میں مصروف ہے یہ دیکھ کر اس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور اسے روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگی، یہاں تک کہ اسٹیفن نے آنکھیں کھولیں تو ماجدولین اس کے سامنے موجود تھی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا، اس کی نگاہیں ماجدولین پر جم کر رہ گئیں، جسم کے جوڑ جوڑ ڈھیلے پڑ گئے اور حرکت کرنے کی قوت سلب ہو گئی اور اس نے ماجدولین کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا جو اس کے قریب کرکھنے لگی۔

”اے اسٹیفن میں تمہیں رخصت کرنے کے لئے آئی ہوں اور دیر تک تمہارے پاس نہیں ٹھہر سکتی۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا آئی ہوں کہ کیا تم مجھ سے یہ پختہ عہد کر سکتے ہو کہ غم مایوسی و نومیدی کو کبھی اپنے دل میں جگہ نہیں دو گے، یہاں تک کہ خدا ہم دونوں کو بچھڑا دے۔“

اسٹیفن کہنے لگا: ”یہ چیز تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تمہیں مجھ میں مشکلات کا مقابلہ کرنے کی قوت بخش سکتی ہو۔ اور تمہیں یاس و نومیدی کا کفن پہنا کر موت کی مینڈ سلا سکتی ہو۔“

ماجدولین کہنے لگی: ”اے اسٹیفن آج میں تمہارے سامنے اس چیز کا اظہار کرتی ہوں جس کے اظہار سے میری نشوونما

شرم و حیا آج تک مانع ہوئی۔ اور وہ یہ کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور میں نے خدا اور اپنے ضمیر کے سامنے تم سے شادی کا اقرار کیا ہے میں اپنے ضمیر سے خیانت اور اپنے خدا سے غلط بیانی نہیں کر سکتی۔ پس اسے اسٹیفن اب تم اٹھو اور سفر کی تیاری کرو اور جس جگہ اور جس راستے سے بھی سعادت حیات ملے اسے ڈھونڈھ نکالو اور اس سفر سے واپس ہو کر پھر تم میرے پاس آؤ میں جب تک زندہ ہوں تمہاری رہوں گی۔ اسے اسٹیفن تمہارا جہاں دل چاہے جاؤ۔ ایک دو دس یا اس سے بھی زیادہ سالہائے دراز کے بعد جب تم لوٹو گے مجھے ویسا ہی پاک صاف اور مخلص و وفادار پاؤ گے۔ اسے اسٹیفن تم کل یہاں سے رخصت ہو جاؤ اور جس نیک دہر سے واسطہ پڑے اس کی اطلاع مجھے دیتے رہو تاکہ میں بھی تمہارے رنج و راحت میں تمہاری شریک رہوں۔ میں بھی تمہارے خطوں کا جواب برابر دیتی رہوں گی۔“

یہ سنکر اس کا جوش کچھ ٹھنڈا پڑ گیا اور کہنے لگا: ”اے ماجدولین میرا یہ سفر بہت طویل ہو گا کیا تم مجھے کوئی ایسی چیز دے سکتی ہو جو اس عالم غربت میں میری غمگسار ہو سکے۔“

ماجدولین نے اپنا ہاتھ اپنے بالوں کی طرف بڑھایا اور ان میں سے ایک لٹ کاٹ کر اسٹیفن کو دیدی جس کے جواب میں اس نے بھی اپنے بالوں کی ایک لٹ ماجدولین کے حوالے کی اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

سفر

اسٹیفن روانگی کی صبح ذرا سویرے اٹھا اور اپنے کمرے کی اس کھڑکی میں سے جو باغ کی طرف کھلتی تھی، جھانکنے لگا اس نے دیکھا کہ رات اپنے سیاہ پروں کو آہستہ آہستہ سمیٹ رہی ہے۔ اور سورج زرکار لباس پہنے ہوئے خراماں خراماں افق سے نمودار ہو رہا ہے۔ پھر اس نے دیکھا کہ افق میں بادلوں کے ٹکڑے ہر طرف آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں اور سورج کی سرخ شعاعوں کا خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ پھر اُس نے دیکھا کہ سورج کی سفید شعاعیں پھولوں پر پڑے ہوئے شبنم کے قطرول پر عیب رنگ آمیزی کر رہی ہیں۔ گویا وہ الماس کے ٹکڑے ہیں۔

اس وقت فضا خاموش تھی اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی تھی اُس نے اس منظر کا ایک عام جائزہ لیا اور جب اس کی نگاہیں اس کو دیکھ کر واپس ہوئیں تو وہ آنسوؤں سے لبریز تھیں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اب اس گھر کو چھوڑ رہا ہے اور رخصت ہو رہا ہے۔ زیرِ قون (ورخت) کے اُس سائے سے جہاں وہ ماجدولین کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، دریا کے اُس ساحل سے جہاں وہ دونوں ٹہلا کرتے تھے، اس گشتی سے جس میں بیٹھ کر وہ دونوں دریائی سیر کیا کرتے تھے، باغ کی اس کرسی سے جس پر بیٹھ کر وہ ماجدولین کے آنے کا انتظار کیا کرتا تھا، اس کمرے سے جس کی کھڑکی سے وہ اُس کی شیریں آواز کے نفیے سننے کے لئے اکثر جھانکا کرتا تھا اور ہنسنے دیا سمیٹنے کے ان گلدستوں سے جو ماجدولین اسے تحفہ عطا کرتی تھیں اور جن میں وہ اس کی خوشبو سونگھا کرتا تھا۔

وہ دیر تک روتا رہا اور قریب تھا کہ روتے روتے اپنے تئیں ہلاک کر دے، لیکن ماجدولین کی باتیں اس کو یاد آنے لگیں اور اس کے خلوص و وفاداری نے اس کے فراق کے صدمہ کو کچھ ہلکا کر دیا۔

اس کے بعد وہ اٹھا اور اپنے کپڑے اپنے بکس میں رکھ کر باغ میں اُتر آیا اور وہاں کی ایک ایک چیز سے رخصت ہونے لگا ایسا کوئی درخت نہ تھا جسے اس نے نہ چوما ہو ایسی کوئی شاخ نہ تھی جسے اس نے اپنی آنکھوں سے نہ لگایا ہو، اور ایسی کوئی کرسی نہ تھی جس پر اس نے اپنے رخسار نہ ملے ہوں، اور اپنے آنسوؤں سے اسے نہ دھویا ہو۔ اس نے ہر درخت سے پھول توڑ کر ان سب کا ایک گلدستہ بنایا اور باغ کی ایک کرسی پر ماجدولین کے لئے چھوڑ دیا۔

اس کے بعد مالی کے پاس آیا اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر کوئٹہ تک پہنچا دے۔

”ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام“

”اے اسٹیفن، تم چلے گئے اور مجھ سے بہت دور ہو گئے۔ اب کیا امید کروں کہ تم سے جلد ملاقات ہو سکے گی، آہ، میں بھی کتنی بد نصیب ہوں۔“

بے تھین یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیکر سخت غلطی کی۔ میں سمجھتی تھی کہ میرے پہلو میں اتنا صبر و قرار ہے کہ فراق کے تلخ گھوڑے کو حلق سے اُتارنے پر مجھے قوی دل بنادے گا لیکن تمھاری صورت نگاہوں سے ادھم ہوتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ میں بہت ہی بد نصیب لڑکی ہوں اور وہ تمام نصیحتیں جو اس روز میں نے تمھیں کیں تھیں، عقل کی نصیحتیں تھیں، قلب و ضمیر کی آوازیں نہیں تھیں۔

میں بتیاب تھی کہ جس وقت تم جہاں سے رخصت ہو رہے ہو، میں اپنی کھڑکی میں کھڑے ہو کر تمھیں آخری سلام کروں اور محبت کی آخری نگاہ سے تمھیں رخصت کروں۔ لیکن ڈرتی تھی کہ کہیں مجھے روتا دیکھ کر تم بھی نہ روئے لگو۔ اور کہیں تمھیں زندہ دیکھ کر میں اپنے تئیں ہلاک نہ کر لوں۔ اللہ اللہ رخصت کا وقت بھی کیسا سخت وقت ہے اور وہ فراق اس سے بھی زیادہ سخت ہے جو رخصت کے بغیر نصیب ہو۔

میں تمھارے چلے جانے کے بعد باغ میں گئی تو ایک کرسی پر پھولوں کا ایک گلدستہ رکھا ہوا تھا جسے تم اپنی روانگی سے پہلے میرے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اُسے اٹھا کر میں اپنے ہونٹوں سے لگایا اور سچ تو یہ ہے کہ اُسے نہیں بلکہ تمھارے ہاتھوں کو۔ پھر میں اس کرسی کی طرف گئی جس پر ہم دونوں زیرِ فون کے پیڑوں کے نیچے بیٹھا کرتے تھے اور اس پر بیٹھ گئی اور تمھارے پچھلے خط اپنے سامنے پھیلا لئے۔ میں انھیں پڑھ رہی تھی اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا تم میرے سامنے بیٹھے ہوئے مجھ سے باتیں کر رہے ہو۔ مگر آہ، زندگی کے وہ دلکش لمحے ختم ہو گئے، جنہیں ہم دونوں اس نیلگوں آسمان کے نیچے شاخوں کی جھڑپ میں بیٹھ کر گزارا کرتے تھے۔“

”ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام“

”رات میں نے سخت پریشانیوں اور تکلیفوں میں گزاری۔ آفتاب پردہ اُفتق میں ابھی پوری طرح چھپا بھی نہ تھا کہ ایک زبردست آندھی نے درودیوار کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اور آسمان اپنی گہرائیوں میں سکڑنے سمٹنے اور سیاہ ہونے لگا۔

مجھے خیال ہوا کہ تم ابھی راستے ہی میں ہو گے اور اس وقت منزل کی تکلیفوں دوسری کی شدت سے سخت مصیبت میں ہو گے۔ چنانچہ میں بھی اپنی چادر اُڑھ کر کمرے کے ایک کونہ میں بیٹھ کر رونے لگی۔ کبھی تمہاری جدائی پر روتی اور کبھی اپنی بدقسمتی پر۔ رات کا بیشتر حصہ اسی حالت میں گزر گیا۔ لیکن صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو ہوا ٹھہر چکی تھی، سورج نکلا ہوا تھا اور موسم بہت خوشگوار تھا، میں یہ دیکھ کر خوش ہو گئی اور خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔

اے اسٹیفن میں گھڑیاں گن رہی ہوں اور تمہارے خط کے انتظار میں سخت سچیں ہوں، دیکھوں منزل مقصود تک تمہارے بخیریت پہنچنے کی نوید جانفزا مجھے کب تک ملتی ہے“

”ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام“

”گزشتہ چالیس گھنٹے بھی میرے غم و اندوہ میں کوئی کمی نہیں کر سکے۔ اور اب کیا کہوں کہ میں نے یہ اوقات کس طرح بسر کئے ہیں اسی وحشت و سراسیمگی میں تمہارے کمرے میں جا پہنچی، صرف اس خیال سے کہ شاید کچھ دیر وہاں ٹھہرنے سے میرے دل کو کچھ سکون ملے، لیکن جب میں وہاں پہنچی اور دروازہ کھولنے کے لئے اس کی کنڈی پر اپنا ہاتھ رکھا تو میرا ہاتھ کلپٹنگا اور میں سر سے پاؤں تک لرز گئی، میں ایسا محسوس کر رہی تھی کہ اگر میں نے دروازہ کھول لیا تو تم اس کے پیچھے کھڑے ہو گے اور ہنستے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دو گے، لیکن دروازہ کھولنے پر سوائے وحشت، خاموشی، گرد آلود پلنگ، اور بکھرے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے کمرے کو درست کیا، بکھرے ہوئے کاغذوں کو جمع کیا، کھڑکیوں اور کرسیوں کو صاف کیا، درودیوار پر جمی ہوئی خاک کو دور کیا اور کمرے کو اسی طرح صاف ستھرا بنا دیا جس طرح تمہارے زمانہ میں رہا کرتا تھا۔ آج سے میں خود اس کمرے میں رہوں گی اور اب بھی یہ کمرہ تمہارے ہی نام سے پکارا جائے گا خواہ تم اس میں رہو یا نہ ہو۔

وہیں مجھے بٹوے میں ایک کُرسی پر رکھے ہوئے چند روپے بھی ملے، میں سمجھ گئی کہ یہ کرایہ اس کمرے کا ہے جس کا تقاضہ میرے والد نے کیا ہوگا اور چونکہ تم ان کی صورت دیکھنا نہیں چاہتے تھے اس لئے یہاں چھوڑ گئے ہو۔ وہ روپے میں نے اٹھائے ہیں اپنے والد کو دیدوں گی اور انھیں اس پر راضی کر لوں گی کہ وہ ان روپوں سے میرے لئے کپڑا کوئی اور اچھی سی چیز خرید لیں اور میں اسے تمہارا تحفہ سمجھ کر استعمال کروں گی۔

اے اسٹیفن میں تمہاری جدائی پر صبر سے کام لوں گی اور اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دوں گی کہ تم مجھ سے صرف اس لئے جدا ہوئے ہو کہ اور زیادہ قریب ہو جاؤ، اور اگر آج تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو صرف اس لئے کہ تم اس غیر مطمئن ملاقات پر اس یکجائی کو ترجیح دیتے ہو جس میں فراق کا کھٹکا اور جدائی کا خوف نہ ہو۔

پس اے میرے محبوب تم اپنے راستہ پر برابر چلے جاؤ اور راہ میں جو دقتیں بھی پیش آئیں انہیں اپنے یقین اپنے عزم اور اپنی ہمت سے دور کر دو، تاکہ اس کے بعد جب ہم تم ایک دوسرے سے ملیں تو میرے حال کی لذت ہمارے غم آلود ماضی کی تلخی کو دور کر دے۔“

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

”کل تک ہم دونوں ایک ساتھ اور ایک گھر میں رہتے تھے اور آج ہمارے درمیان پچاس میل کی مسافت حایل ہے تمہارے ہاتھ کی گرمی آج میرے ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی، میری انگلیاں تمہارے بالوں سے آج نہیں کھیلتیں، میرے مشام جان کو تمہاری عنبیں سانسیں معطر نہیں کرتیں اور تمہاری پیاری آواز آج میرے دل کے گوشوں میں نہیں گونجتی، پہلے کی طرح آج آسمان میں اب وہ صفائی و دل فریبی نہیں، موسم میں وہ پہلی سی دلکشی نہیں۔ پانی میں وہ شیرینی اور ہوا میں وہ لطافت نہیں، باغوں میں وہ پھول اور پھولوں میں وہ مہک نہیں۔ اے ماجدولین، شاید کائنات کے حسن و جمال کا راز تمہیں نہیں۔“

کو بلائیں پہونچکر میں نے اپنے والد، دیگر اعزہ اور اکثر اہل وطن سے ملاقاتیں کیں، لیکن یہ ملاقاتیں مجھے تمہاری یاد سے غافل نہیں کر سکیں، اور نہ میں ان کے چہروں میں اُس و محبت کی وہ پہلی سی جھلک دیکھی جو تمہاری ملاقات سے پیشتر نظر آتی تھی۔ خدا جانے یہ میری غربت و مسافرت کا زمانہ کب ختم ہوگا۔

مجھے یہ معلوم کر کے سخت رنج ہوا کہ تمہیں میری وجہ سے سخت دقتیں اور تکلیفیں اٹھانا پڑ رہی ہیں، لیکن اے ماجدولین تم مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہو کیونکہ تم ایسی جگہ زندگی گزار رہی ہو جس نے ہماری خوش نصیبی کے دن دیکھے ہیں، لیکن میں اپنے ماحول میں بالکل اجنبی ہوں، اے ماجدولین، میں تمہارے حکم کے مطابق ضرور جرأت و ہمت سے کام لوں گا اور ہر اُس سنگ گراں کو جو میرے راستے میں حائل ہوگا، پوری کوشش سے ہٹا دوں گا۔ تم مجھے جلد جلد خط لکھتی رہو اور تمام ان واقعات و حالات سے جو تمہیں پیش آئیں مطلع کرتی رہو۔ تاکہ تم سے دور رہ کر بھی تمہاری باتوں سے لطف حاصل کرتا رہوں۔

”محفلِ قص“

ایک روز اسٹیفن کے والد نے اپنے گھر میں محفلِ قص و سرود قائم کی اور اسٹیفن کو بھی اس کی شرکت پر مجبور کیا۔

اسٹیفن آج تک کبھی اس قسم کی محفلوں میں شریک نہیں ہوا تھا۔ مگر والد کے اصرار پر بادل نا خواستہ اسے منظور کرنا پڑا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور ناچنے کا ہڑا کرہ عورتوں اور مردوں سے کچیا کچھ بھر گیا تو اسٹیفن نے حیرت و خجالت سے اُس بھیانک اور ڈراؤنے منظر کو دیکھا۔ وہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ اسے یاد آیا کہ ان محفلوں میں اُٹھنے بیٹھنے کے کچھ قاعدے اور آئینے جانے کے کچھ قوانین ہیں اور جو شخص ان قوانین سے ناواقف ہوتا ہے، مذاق و استہزاء کا ہدف بن جاتا ہے، وہ کسی طرح بھی اس ماحول میں بیٹھنا نہیں چاہتا تھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ جانے کے لئے بیقرار تھا۔

اس نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر بہت سی موم بتیوں کے درمیان ایک بتی ٹٹھار رہی ہے اور اس کی زندگی کا چراغ غرقِ گل ہونے والا ہے، اس لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس کی روشنی کو درست کرنے کے بہانے اُٹھ کر اُس کی طرف چل دیا آج وہ اپنے دن کپڑوں میں بہت ہی عجیب معلوم ہو رہا تھا کیونکہ وہ اس کے اپنے کپڑے نہ تھے۔ بلکہ اپنے کسی عزیز سے مستعانت لئے تھے۔ وہ شخص اسٹیفن سے زیادہ چوڑا چکلا اور بلند و بالا تھا۔ غرض جب وہ موم بتی کے قریب پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ بتی کا ایک حصہ موم کھیلنے سے کالا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ کچھلے ہوئے موم کا حصہ صاف کر دے لیکن جوں ہی اس نے قینچی کو بتی پر رکھا وہ گل ہو گئی اور اس کا موم اڑ کر اس کے کپڑوں پر پھیل گیا۔ چاروں طرف سے اس پر آوازے کسے جانے لگے اور وہ گھبرا کر ایک خالی کمرے میں کرسی پر بیٹھ گیا اور قینچی کی دھار سے جھے ہوئے موم کو کھرچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کا والد بھی وہاں آ پہنچا اور پھر اسے زبردستی اُٹھا کر لے گیا اور وہاں جا کر بٹھایا جہاں وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جسے وہ اُس سے منسوب کرنا چاہتا تھا۔

اس کے بعد اسٹیفن کے والد نے سب لوگوں کے سامنے اس کو سمجھانا شروع کیا کہ: ”میں سال بھر سے اسی کوشش میں تھا کہ اس لڑکی سے تیری شادی کر دوں جس سے تیری ہی صلاح و بہبود مقصود تھی لیکن تو اپنی نافرمانی اور سرتابی سے باز نہیں آیا اور چلا گیا۔ لیکن اب جو تو واپس آیا تو مجھے خیال گزرا کہ شاید تیری خود سری ختم ہو چکی ہے اور اسی لئے میں نے یہ محفل منعقد کیا تاکہ تو اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اس لڑکی سے جس کو ہم نے تیرے لئے پسند کیا ہے، ابتدائی ربط و ضبط پیدا کرے لیکن افسوس تو نے ہماری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور اپنی سرکشی و سرتابی سے ہماری تمام تجویزوں کو ٹھکرا دیا۔ شاید تجھے یہ خیال ہو کہ میں تمام عمر تیری کفالت اور سرپرستی کے لئے بیٹھا رہوں گا یا تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرا یہ علم جس پر تجھ کو ناز ہے کوئی سونے کی کان ہے جو آج تیرے اور کل تیری اولاد کے لئے سونا اُگلتی رہے گی۔ پھر اگر تو اس فریب میں مبتلا ہے تو تجھے معلوم ہو جانا چاہئے کہ میرا کل سرمایہ صرف اسی قدر ہے کہ میری زندگی کے لئے کافی ہو سکے۔ رہا تمہارا ذوق سو یا در کھو یہ فنون لطیفہ جو تمہارا سرمایہ حیات ہیں ہرگز یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ کس وقت بھی تمہارے لئے ذریعہ معاش بن سکیں اس لئے اگر تم میرا کہنا نہیں مانتے تو خدا کی زمین بہت وسیع ہے جہاں چاہو چلے جاؤ اور جس طرح چاہو مکاؤ، تمہارا اس بیکاری اور بیروزگاری کی حالت میں میرے گھر پر رہنا مجھے گوارا نہیں۔“

اسٹیفن نے یہ سُنکر اپنا سر اٹھایا اور اپنے والد کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ”مجھے اعتراف ہے کہ آپ نے زمانہ گزشتہ میں میرے اوپر احسانات کئے ہیں۔ لیکن ان احسانات کا ذکر آپ کو کچھ زیب نہیں دیتا، کیونکہ بہر حال آپ والد ہیں اور اس رشتہ کی قیمت کچھ نہ کچھ ضرور ہے جو آپ کو ادا کرنا چاہئے تھی لیکن سچ پوچھئے تو آپ نے کبھی مجھ پر شفقت و محبت صرف نہیں کی، میری ماں کے مرتے ہی آپ نے مجھے اور میرے بھائی کو اپنے گھر سے نکال دیا اور میری عمر ابھی سات برس کی بھی نہ تھی کہ آپ نے دوسری شادی کر لی اور اپنے سے دور مجھے ایسے تنگ دل لوگوں میں بھجوا دیا، جو کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد اگر کبھی اتفاقاً میں آپ کے پاس آیا بھی تو آپ نے سرد جہری سے میرا استقبال کیا۔ آپ نے کبھی کسی اچھے لفظ سے مجھے یاد نہیں کیا اور نہ کبھی محبت کی آنکھ سے مجھے دیکھا۔ میں بیمار ہوا اور اکثر اوقات جاگ جاگ کر کاٹیں لیکن آپ نے کبھی اپنے عیش و آرام کو نہیں چھوڑا۔ مجھے تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا دیکھ کر آپ کا دل کبھی نہیں دکھا۔ نہ مجھے دیکھ کر آپ کبھی متبسم ہوئے اور نہ میری جدائی سے غمگین۔ پھر جب اس دنیا میں کوئی ایسا نہ ملا جس سے میں محبت کرتا یا جسے اپنے لئے منتخب کر سکتا تو میں اپنے نفس اور اپنی آزادی سے محبت کرنے لگا۔ اس لئے آج میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص میرے اس انتخاب پر مجھے خطا وار ٹھیرائے یا میرے اس حق کو چھین لینے کی کوشش کرے۔ میری زندگی میرے لئے ہے اور میں اپنی قسمت کا آپ مالک ہوں۔ مجھ پر میرے علاوہ کسی کو کوئی اختیار نہیں اور نہ میرے معاملات میں کسی کو دخل دینے کی ضرورت میں اپنا راستہ آپ ہموار کروں گا۔ اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مستقبل کی بنیادیں رکھوں گا۔ میں صرف اسی لڑکی سے محبت کر سکتا ہوں جسے میں خود اپنے لئے پسند کروں، اور صرف اسی عورت کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہوں جس کی خوشگوار محبت کا اندازہ اپنی سمجھ سے کر سکوں۔“

یہ کہہ کر اس نے ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنے کمرے کی طرف تیزی سے چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا لباس تبدیل کیا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر تاریکی کے پردوں کو چیرتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا۔ اس کو جاتا دیکھ کر اس کا ایک ماموں زاد بھائی بھی جو اس کے بعض حالات سے باخبر ہو چکا تھا اس کے پیچھے ہو لیا اور قریب پہنچ کر کہنے لگا: ”اے اسٹیفن تم کہاں جا رہے ہو؟“ کہنے لگا: ”وہیں جا رہا ہوں جہاں یہ لوگ مجھے بھیج رہے ہیں۔“ اس کا یہ عزیز اس کی اس مصیبت پر رونے لگا اور بولا ”اے اسٹیفن خدا تمہاری حالت پر رحم کرے۔“ پھر اس نے چپکے سے اسٹیفن کی جیب میں سونے کے چند سکے ڈال دیے جس کی خبر اسٹیفن کو اسکے چلے جانے کے بعد ہوئی۔

نفس بلند

عالی ہمت اور بلند حوصلہ لوگ حادثاتِ زمانہ کے آگے نہیں جھکتے، خواہ یہ حادثے کتنے ہی سخت صبر آزما کیوں نہ ہوں۔ اور نہ ان کی گردنیں مصیبتوں اور تکلیفوں کے سامنے خم ہوتی ہیں، خواہ یہ کتنی ہی ہمت شکن کیوں نہ ہوں۔

ایسے لوگ دوسرے عام لوگوں کے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو شیر دوسرے مدندوں کے درمیان رکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کے لئے ہوئے شکار کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا اور کوئی ایسا کھانا جسے خود اس کے چنگل اور دانت فراہم نہ کریں اسے پسند نہیں آتا۔

مصیبتوں کے اس ہجوم کے بعد اسٹیفن کے نفس کی بھی یہی کیفیت تھی۔ نہ وہ گھبرا یا اور نہ اس نے آہ و زاری کی، بلکہ اس نے گوبلائس کو اسی سکون کے ساتھ خیرباد کہا جس اطمینان کے ساتھ وہ اس میں داخل ہوا تھا۔ اس کا ضمیر مطمئن تھا اور اس کا دل خود اعتمادی سے لبریز تھا۔

وہ تمام رات بیدار چلتا رہا یہاں تک کہ جب صبح کا ستارا نمودار ہوا تو گوبلائس کے دھندلے سے نشانات ابھی تک دکھائی دے رہے تھے وہ دیر تک خاموش اُن کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا:۔

"اے مجھے اپنے سامنے سے دھتکار دینے والے انسانِ رخصت! آج تم سب سے اپنے ہاتھوں کو اسی طرح بھاڑ لیا جس طرح کوئی شخص مردے کو مٹی دیکر اپنے ہاتھوں کو جھاڑ لیتا ہے۔ آج سے میری محبت، میری موت اور میری زلیست اور ہر وہ چیز جو مجھ سے متعلق ہے صرف اس ذات کے لئے ہے جو میری ہے اور میں جسکے لئے ہوں۔ دنیا کی کوئی ہستی اُسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتی اور میرے دل کی گہرائیوں میں اس کی یاد کے ساتھ کسی اور کی یاد نہیں رہ سکتی وہ وقت قریب ہے کہ اس کی محبت میری زندگی کے اندھیروں میں ایک منارۂ نور کا کام دے اور اس کی روشنی میں میں حیات کی ان بلندیوں تک پہنچ جاؤں جن کی تمنا میرے دل میں ہے۔

اے سخت دل اور جفا پیشہ انسانو! اُس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ فقیر و گنہگار لڑکا جو کل تک تمہارے سامنے ذلیل و خوار تھا اور خجالت و شرمندگی سے تمہاری طرف آنکھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا وہ بڑا آدمی بن گیا ہو" یہ کہہ کر اس نے اپنے قدم بڑھا دیے اور پھر چلنے لگا، یہاں تک کہ شام کو وہ جو تنچ پہنچ گیا، جہاں اس نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی اور بچپن کے اکثر ایام گزارے تھے۔

جو تنچ پہنچتے ہی اسٹیفن سیدھا اپنے موسیقی کے پرائے اُستاد "حوئل" کے پاس آیا۔ حوئل اس کے لئے ایک شفیق باپ کی طرح تھا وہ اس سے بچہ محبت کرتا تھا اور اسے اپنے تمام شاگردوں پر ترجیح دیتا تھا۔ لیکن جب وہ اس کے سامنے پہنچا تو شرم و حیا نے اس کی زبان کو بند کر دیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ لیکن جب حوئل نے خود حالات بیان کئے تو اسٹیفن نے سارا واقعہ بیان کیا، حوئل نے اسے مشورہ دیا کہ موسیقی سے زیادہ کوئی دوسرا فن اس کے لئے موزوں نہیں اور اسٹیفن اس کے پاس رہ کر اس فن کی تکمیل میں مصروف ہو گیا۔

"ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام"

"میں تقریباً دو ماہ سے تمہیں کوئی خط نہیں لکھ سکی، کیونکہ اس عرصہ میں میں بہت بیمار رہی۔ اب خدا کا شکر ہے

اچھی ہوں اور اپنی بیماری کے قصے ہی سے اس خط کی ابتدا کرنا چاہتی ہوں۔

میں ایک رات اس ارادہ سے نکلا کہ ”ہال“ کے ڈاک خانہ میں جا کر تمہارے نام خط ڈال دوں، لیکن جب میں اپنے گاؤں سے دور نکل گئی تو یکایک ہوا کا ایک زبردست طوفان اُٹھا اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا وہ عنقریب مجھ پر ٹوٹ پڑنے والا ہے۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج یا تو وہ میرے جسم سے میرے کپڑے اتار لیگا یا خود مجھی کو کپڑوں سمیت اڑا لیجائیگا۔ عقل کا فیصلہ تھا کہ جدھر سے آئی ہوں اسی طرف لوٹ جاؤں لیکن دل کا تقاضہ تھا کہ آگے بڑھوں۔ مجھے خیال آیا کہ تم بڑی بچینی سے میرے خط کے منتظر ہو گے۔ اس خیال کے آتے ہی میرے سست قدم تیزی سے اُٹھنے لگے اور ہواؤں کے جھونکوں سے الجھتی ہوئی کبھی آگے کبھی پیچھے ہٹتی ہوئی اور ادھر ادھر گرتی پڑتی برابر آگے بڑھتی رہی۔ مختصر یہ کہ دو گھنٹہ کی اس کشاکش کے بعد میں وہاں پہنچ گئی اور خط ڈاک خانہ میں ڈال دیا۔ جب میں وہاں سے واپس ہوئی تو ہواؤں کی شدت کم ہو چکی تھی لیکن صبح اس لئے کہ موسلا دھار بارش کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ ہوائیں پوری طرح خاموش ہوں بارش ہونے لگی اور لحظہ بہ لحظہ تیز تر ہوتی گئی۔ میری چادر بھیک گئی اور بدن کی بوٹی بوٹی کا پتہ لگی اور رات اس قدر اندھیری ہو گئی کہ چلنا دشوار ہو گیا۔ میں چونکہ تھک کر چور چور ہو چکی تھی، مینے سوچا کہ کیوں نہ ہیں کسی پہاڑ کی چٹان پر چڑھ کر اپنی موت کا انتظار کروں، لیکن پھر اس خیال سے رک گئی کہ مجھے تمہاری خاطر زندہ رہنا ہے اور تمہاری زندگی کو خوشگوار بنانے کا جو عہد کر چکی ہوں اسے نباہنا ہے۔ یہ خیال آتے ہی میں چل پڑی اور جب گھر پہنچی تو بہت تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔

میں نے اس بیماری میں بھی بڑی بڑی سختیاں اُٹھائیں، میں اپنی زندگی سے قطعاً مایوس ہو چکی تھی، میں سمجھ رہی تھی کہ بس اب تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی۔ ایسے وقت میں جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف کا باعث تھی وہ یہ خیال تھا کہ یہ تو خیر تم سن ہی لو گے کہ ماجدولین اس دنیا سے رخصت ہو گئی لیکن یہ تمہیں کون بتائے گا کہ وہ مرتے وقت بھی تمہیں کو یاد کرتی تھی۔

مینے سوچا کہ تمہیں ایک آخری خط لکھ کر ان حالات سے مطلع کر دوں، لیکن صبح کے وقت میرا بخار ہلکا ہوا اور خط تمہارے نام لکھنے لگی۔ میں نے اُس خط میں اپنی تمام چیزوں کی وصیت تمہارے حق میں کی تھی اور وہ چیزیں ہی کیا تمہیں؟ یہی میری چند کتابیں تمہارے خطوط اور وہ انگوٹھی جو میں نے تمہارے بالوں کو بکریا کی تھی۔ ان کے علاوہ ایک چھوٹی سی کیلی بھی تھی جس میں سوئے چاندی کے کچھ سکے تھے جنہیں میں اپنے خرچ سے بچا کر رکھ چھوڑتی تھی، یہ تھی میری کل کائنات! چنانچہ یہ وصیت نامہ لکھ کر میں نے جنفیات کو دیدیا اور کہو یا کہ میرے مرنے کے بعد تمہارے سپرد کر دے۔ لیکن خدا نے ہم دونوں پر بڑا فضل کیا کہ تم بھی کو تم سے محروم کیا اور نہ تمہیں کو میری موت سے دلگیر۔ اچھا ہونے کے بعد جب

میں نے دوبارہ اس وصیت نامہ کو دیکھا تو میں بہت روئی، میں نے سوچا کہ اگر خدا نخواستہ یہ وصیت نامہ تم تک پہنچ جاتا تو تمہاری کیا حالت ہوتی اور یہ تھا وہ خیال جو مجھے رُلا رہا تھا اور تمہیں عالم خیال میں روتا ہوا دیکھ کر خود بھی ٹرپ رہی تھی۔

اے اسٹیفن، تم سے میری ایک آرزو ہے۔ آئندہ جب تم مجھے خط لکھو تو اپنے بھائی کاپتہ لکھ دینا کیونکہ میں انہیں ایک تحفہ بھیجنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ اب میں تمہاری وجہ سے تمہارے بھائی کو بھی دوست رکھنے لگی ہوں اور بڑی سچی سے اس دن کی منتظر ہوں جب ہم تم اور وہ ایک ہی مکان میں زندگی کے دن گزاریں گے۔

اے اسٹیفن، میری بیماری کا حال پڑھ کر تم رنجیدہ نہ ہونا کیونکہ یہ تو ایک پرانا واقعہ ہے جو گزر گیا اور ختم ہو گیا اور اب اس کا کوئی خفیف سا اثر بھی میری طبیعت پر نہیں ہے۔

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

”خدا تمہیں معاف کرے اے ماجدولین! کیا تمہارا خیال ہے کہ میں تمہارے بعد ایک گھنٹہ کے لئے بھی اس دنیا میں زندہ رہ سکوں گا جو تم نے اس قسم کا ایک وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔“

کیا تمہیں خبر نہیں کہ تم ہی اس دنیا میں میری زندگی اور میری روح ہو اور جس دن اس دنیا میں تمہاری جگہ خالی ہوگی وہی دن اس دنیا میں میرا آخری دن ہوگا۔

مردے نے مردے کو کب تحفہ بھیجا ہے، اور قبر نے قبر کو کب وصیت کی ہے، اور کب کوئی محبت کرنے والا اپنے محبوب کے مرنے کے بعد اس دنیا میں زندہ رہا ہے اور اگر دنیا پڑا بھی ہو تو کب اس کی زندگی کا کوئی لمحہ مسرور و خوشگوار گزرا ہے۔ اوروں کی طرح خود میری زندگی بھی ہزاروں تمنائیں رکھتی ہے، لیکن قسم ہے تمہاری محبت کی اگر میں ان تمام آرزوں کو صرف اس ایک آرزو کے بدلے دیدینے طیار ہوں کہ میرا دم اس طرح نکلے کہ میرا سر تمہارے سینہ پر ہو، میری آنکھیں تمہارے خوبصورت اور روشن چہرے کو دیکھ رہی ہوں، تمہاری آواز آخری آواز ہو جو میرے کانوں میں پہنچے اور تمہاری صورت آخری صورت ہو جو مجھے نظر آئے۔

خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں صحت بخش کر تم پر، اور تمہاری زندگی کو میرے لئے محفوظ رکھ کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ زمانہ گزشتہ میں جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں ہم پر پڑی ہیں کچھ اس لئے نہ تھیں۔ کہ خدا ہم سے ناراض ہے، یا ہم لوگوں کو تکالیف میں مبتلا دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ آج کی تکلیفوں سے ہم کل کے عیش و آرام کا صحیح اندازہ کر سکیں۔

میں اپنے بھائی کو اس تحفہ کے متعلق لکھ دوں گا جسے تم بھیجنا چاہتی ہو۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم اس پر

اس قدر مہربان ہو اور اس سے اتنی محبت کرتی ہو۔

قسمت

موسم سرما ختم ہو رہا ہے اور اسٹیفن اپنے استاد ہوٹل کے پاس آتا رہتا ہے لیکن اب وہ وقت قریب ہے کہ اسٹیفن کا تمام سرمایہ ختم ہو جائے، وہ سخت پریشان ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا ہوگا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہ وقت آیا کہ سوکھی روٹیاں چبانے لگا، پھٹے ہوئے کپڑے پہننے لگا، دو وقت کی بجائے ایک وقت پر قناعت کی اور شور بے کی جگہ روٹی کو پانی میں بھگو کر کھانے لگا۔

ایک دن وہ کسی دیوار کے نیچے کھڑا ہوا تھا کہ ایک خستہ حال نوجوان اس کے سامنے سے گزرا اور اس سے سوال کرنے لگا، اس نے شرمندگی سے اپنا منہ پھیر لیا۔ نوجوان نے کہا: ”میرے آقا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو اپنے پیچھے اس حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہ بھوک سے کھڑے ہونے کی طاقت بھی نہیں رکھتی۔ ہم دونوں پر پورے دو دن اس طرح بیت گئے ہیں کہ سوائے غم کھانے اور آنسو پینے کے کوئی تیسری چیز میسر نہیں ہوئی ہے۔“ اسٹیفن نے سنکر کانپ اٹھا اور پوچھنے لگا:۔

”اے نوجوان کیا تم اپنی بیوی سے بہت محبت کرتے ہو؟“ کہنے لگا ”ہاں میرے آقا اتنی ہی جتنی میں اپنی زندگی سے کرتا ہوں۔“

اسٹیفن نے تھوڑی دیر کے لئے اس نے اپنا سر جھکا لیا اور جو کچھ جیب میں تھا وہ سب اس کو دیدیا اور اپنی قیامگاہ پر اس حالت میں واپس آیا کہ اس کے پاس ایک وقت کے کھانے کا بھی سامان نہ تھا۔

ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام

”آج میری سہیلی سوزان، اپنے گرمائی قیامگاہ سے واپسی پر کو بلائیں جاتے ہوئے میرے پاس بھی آتری۔ مجھے اس کی ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی، میری خواہش تھی کہ کاش تم بھی اس موقع پر ہمارے درمیان ہوتے اور تمھاری ملاقات ایک ایسی لڑکی سے ہوتی جو نہ صرف اپنی شکل و صورت بلکہ اپنے عادات و خصایل کے اعتبار سے بھی ممتاز درجہ رکھتی ہے۔“

میری سہیلی مختلف زبانیں جانتی ہے، معصوری سے خوب واقف ہے۔ مختلف قسم کے سازبجالیاتی ہے، اور جہوت کاتی ہے تو گاتی نہیں بلکہ جادو کرتی ہے۔ تصویر کشی اس کا خاص فن ہے۔ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت کھیلتی رہتی ہے، اور موتی سے دانت ہر وقت جھلکتے رہتے ہیں۔ سیر و تفریح اس کی زندگی کی جان اور قص و سرود کی مفلوں

کی شرکت اس کا دین و ایمان ہے، وہ بڑی شوخ و شریک ہے اور اسے اسٹیفن میری التجا تم سے بھی یہی ہے کہ تم بھی اس سے اسی طرح محبت کرو جس طرح میں محبت کرتی ہوں اور پھر جب تم اسے دیکھو تو اس کے ساتھ بڑی اگفت سے پیش آؤ، کاغذ میں اب اس قدر گنجائش نہیں کہ کچھ اور لکھ سکوں بجز اس کے کہ:

”تمہاری محبت کرنے والی“

اسٹیفن کی طرف سے ماجدولین کے نام

اے ماجدولین، میں تمہارے حکم کے مطابق تمہاری سہیلی سے ضرور محبت کروں گا، لیکن اس لئے نہیں، جیسا کہ تم کہتی ہو، وہ بہت شوخ و شریک ہے، کیونکہ تمہاری محبت نے میرے دل میں تمہارے علاوہ کسی دوسرے کے لئے گنجائش ہی کب چھوڑی ہے۔ اور نہ اس لئے کہ وہ خوب گاتی اور ناچتی ہے۔ کیونکہ میرا غمزدہ دل دنیا میں اب صرف دو ہی باتوں سے سکون پاسکتا ہے ایک تمہاری ”ملاقات“ دوسری ”موت“ بلکہ میں اس کی عزت کروں گا، صرف اس لئے کہ وہ تمہاری غمخوار و غمگسار ہے اور اسے دیکھ کر تمہاری تکلیفیں کچھ ہلکی ہو جاتی ہیں۔

اس لئے اے ماجدولین، تم میری طرف سے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کرو اور سلام پہنچا دو۔ حالات ابھی تک ناسازگار ہیں اور تلخ کامیاں بدستور، لیکن میں صبر و تحمل کے ساتھ ان کا مقابلہ کر رہا ہوں۔

”اچھا خدا حافظ“

اوجین کا خط اسٹیفن کے نام

”محترمہ ماجدولین کا مرحلہ ہر یہ پہنچا۔ میں ان کی اس عنایت کا انتہائی شکر گزار ہوں، ان کے اس تحفہ کی بدولت مجھے ایک نئی چادر مل گئی جس کی مجھے سخت ضرورت تھی اور جسے ان حالات میں خریدنا بھی میرے لئے ممکن نہ تھا ان کو میرا شکریہ پہنچا دو۔ مجھے امید ہے کہ میں جلد ان کی زیارت سے شرف اندوز ہوں گا اور ان کی خدمت میں ایک بہترین تحفہ پیش کروں گا اور اگر قسمی سے ایسا نہ کر سکا تو کم از کم ان کو ایسے عجیب و غریب تحفے تو ضروری سناؤں گا جن کو شکر دہ بہت خوش ہوں گی۔

کل میری نظر سے بڑائی کا پہلا واقعہ گزرا۔ پہلے تو میں اس خوفناک طکر کو دیکھ کر بہت ڈرا، لیکن جوں ہی گھوڑوں کی ہنہانہٹ، گولیوں کی سسناہٹ، قرناؤ بوق کی آوازیں اور جنگی گیتوں کے ترانے میرے کانوں میں پہنچے تو مجھ میں

ایک نئی روح دوڑ گئی اور اپنے گرد و پیش سے بخیر موکرینے اپنے گھوڑے کو تلواروں کی چھاؤں میں ڈال دیا۔

میں اس خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا جب میں نے دیکھا کہ دشمن کا لشکر ہمارے مقابلہ میں پسپا ہو رہا ہے، مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا میں نے ہی ان لوگوں کو شکست دی ہے اور بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میرے افسر نے اس موقع پر میری بہادری دیکھ کر میری بڑی تعریف کی۔ مجھے امید ہے کہ جلد تمہارے پاس لوٹوں گا۔“

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

”اے ماجدولین، زمانہ کے خشک ہونٹوں پر قسم کے کچھ آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔ میں بعض اسباب کی بنا پر چند ہفتوں سے اپنے استاد سے نہ مل سکا تھا۔ کل میری قیام گاہ پر وہ خود مجھ سے ملنے کے لئے آئے، اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ کسی ابتدائی مدرسہ میں انھوں نے میرے لئے کوئی جگہ تلاش کی ہے، جس کی تنخواہ گوا سوقت بہت کم ہے لیکن مدرسہ کے مہتمم نے آٹھ مہینہ کے بعد اس تنخواہ کو دو گنا کر دینے کا وعدہ کیا ہے میں اس احسان پر خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔“

اے ماجدولین، زندگی کی عمارت کا پہلا پتھر بڑی مشکل سے رکھا جاتا ہے لیکن جب وہ رکھ جاتا ہے تو پھر اس کا باند کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اس لئے آج ہم اس کو پاکر مبارکباد کے مستحق ہیں اور کل جب ہم زندگی کی اس برکت کو بھی پالیں گے جس کی تمنا ایک مدت سے ہے تو ہماری مسرتوں کا کیا ٹھکانا ہوگا۔“

ایڈورڈ کا خط اسٹیفن کے نام

”اختلات کی فلیج میرے اور میرے چچا کے درمیان اب تک حاویل ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کروں اور میں اس پر راضی نہیں کہ اپنے والد کے ترکہ سے اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق فائدہ نہ اٹھاؤں سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیوں دوسروں کی دولت پر دندان آرتیز کرے ہوئے ہے۔ حالانکہ جب تک میں زندہ ہوں وہ اسے نہیں مل سکتی۔“

خرید بھی چند دن کی بات ہے، قانوناً میرے جوان ہونے میں صرف چند ماہ کی مدت باقی ہے اس کے بعد دیکھو گا وہ کیا کرتا ہے۔“

تمہارے بعض حالات کی خبر مجھ تک بھی پہونچی ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمہارے گھر والے تم سے بہت ناراض ہیں انھوں نے تمہیں علیحدہ کر دیا ہے اور میں نے یہ بھی سننا ہے کہ تم کو پلاس کو چھوڑ کر جوینج آگے ہو اور فکر و غم میں سرگرداں ہو، اور ابھی تک تمہاری کوششیں بار آور نہیں ہوئیں۔“

اے میرے دوست کاش تم میرا کہنا مان لیتے اور اس لڑکی سے شادی کر لیتے جو تمہارے عزیزوں نے تمہارے لئے پسند کی تھی اور اس کی دولت کے زیر سایہ عیش و آرام سے زندگی گزارتے۔

اے میرے دوست اس دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوش نصیبی نہیں کہ انسان مالدار ہو۔ انسانوں کے دماغوں میں جس قدر بھی علم و عقل ہے، ان کے جسموں میں جتنی بھی قوت و طاقت ہے اور ان کے پاس جو کچھ بھی شرف و فضیلت ہے وہ حقیقت میں سب مال حاصل کرنے اور دولت تک پہنچنے کے ذریعہ ہیں۔

میں اس شخص کے پاس رہتے رہتے تنگ آ گیا ہوں۔ اور اب اس کے ساتھ ایک شہر میں ایک لمحہ کے لئے بھی رہنا گوارا نہیں کرتا۔ ارادہ ہے کہ جلد تمہاری ملاقات کے لئے جو تیج پہنچوں اچھا رخصت۔ والسلام“

اسٹیفن کا خط ایڈورڈ کے نام

”اے میرے دوست مجھ سے ناراض نہ ہونا اگر میں یہ کہوں کہ زندگی کے متعلق میرا نظریہ تمہارے نظریے سے جدا ہے میرے نزدیک روحانی مسرت سے زیادہ کوئی سچی مسرت نہیں، دولت بھی اسی روحانی مسرت کے حامل کرنیکا ایک ذریعہ ہے پھر اگر یہ مسرت بغیر دولت کے مل جائے تو دولت کی کیا ضرورت ہے یا یہ کہ اگر تھوڑی سی دولت سے سپر آجائے تو زیادہ کی ہوس کیوں ہو۔

مال و دولت بیکار ہے اگر ساتھ ایسے انسان کا ہو جس سے محبت نہیں، اس لئے میری رائے میں جو شخص کسی لڑکی سے اس کی دولت کے لئے شادی کرتا ہے، کیمنہ اور بے غیرت ہے۔ وہ روٹی کی خاطر اپنے جسم کو عورتوں کے حوالہ کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح بدکار عورتیں اجرت لیکر اپنا جسم حوالہ کر دیتی ہیں۔

جیسا کہ تم کہتے ہو میں بیشک فقیر و محتاج ہوں۔ لیکن میں اپنی حالت سدھارنے کے لئے انتہائی کوششیں کر رہا ہوں اور کل سے مجھے اپنی کوششوں میں کامیابی کی ایک جھلک بھی نظر آنے لگی ہے، سر دست مجھے ایک چھوٹی سی ملازمت مل گئی ہے اور میں نے اپنے لئے ایک معمولی سا کمرہ بھی کرایہ پر لے لیا ہے۔

اے ایڈورڈ، مجھے اُمید ہے کہ تم میری تلخ نوائی کو معاف کر دو گے، اور مجھ سے جو تیج آنے کا جو وعدہ تم نے کیا ہے اسے جلد پورا کر دو گے۔“

اسٹیفن کا کمرہ

ملازمت ملنے کے بعد اسٹیفن ایک چھوٹے سے کمرہ میں رہنے لگا جو تقریباً دس فٹ لمبا اور سات فٹ چوڑا تھا۔ اس کمرہ میں اس نے لکڑی کا ایک پٹنگ اور ایک چھوٹی سی میز بچھا رکھی تھی، رات کے وقت اس پر پڑھتا اور دن میں

کھانا کھاتا۔ دو گڑیاں بھی اس کمرے میں موجود تھیں۔ ان میں سے جو زیادہ بڑی اور نسبتاً اچھی تھی وہ خود اس کے لئے تھی اور دوسری پر اس نے کپڑوں کا بکس رکھ چھوڑا تھا۔ پکانے کے لئے ایک چولہا اور پانی کا ایک گھڑا بھی وہاں موجود تھا ان کے علاوہ دو چار چیزیں اور بھی تھیں۔

اس کے کمرے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی تھی جو کچھ ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں کھلتی تھی۔ اسٹیفن نے جب اس میں سے جھانکا اور اس بھیانک منظر کو دیکھا تو وہ کچھ افسردہ سا ہوا لیکن پھر خود ہی کہنے لگا:

”خیر کوئی مضائقہ نہیں میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میرا یہ حال کسی کو معلوم نہ ہو“

پھر اس نے کچھ دور پر ایک بہت بڑا درخت دیکھا جو سرسبز و شاداب تھا اسے دیکھنے لگا: ”میرے لئے یہی باغ ہے میں ہر روز صبح کو اٹھ کر سب سے پہلے اسی کو دیکھا کروں گا“

اس کے بعد اسے قریب ہی ایک گرجا دکھائی دیا جسے دیکھ کر اس نے کہا: ”میں سمجھتا ہوں کہ اس گرجا کے گھنٹوں کی آواز وقت معلوم کرنے میں میری مدد کرے گی“ تھوڑی دیر کے بعد اس کے کانوں میں گھنٹے بجنے کی آواز آنے لگی۔ اسے خوش ہو ہو کر ان کو گنا اور کہنا: ”اب مجھے گھڑی خریدنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں“

اسٹیفن نے اپنے نئے مکان کو دیکھ کر اس کے مختصر اور حقیر ہونے کے باوجود بھی بہت خوش تھا۔ کیونکہ یہ پہلا گھر تھا جس میں وہ اپنی قوت بازو کے بھروسے پر اترتا تھا۔ اور جس کا فرنیچر اس نے اپنے روپے سے خریدا تھا وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا:

”سچ تو یہ ہے انسان اپنے ہی گھر میں آزادی سے رہ سکتا ہے، جس طرح چاہے اُسے جس طرح چاہے بیٹھے کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ وہ اچانک اپنے ہاتھوں کو ہوا میں پھیلایا ہے، بلا لحاظ اس امر کے کہ یہ کسی دوسرے کے لگ جائے گا، غور و فکر کرتے وقت وہ جس طرح چاہتا ہے اپنا سر ہلاتا ہے، اپنی انگلیوں کو حرکت دیتا رہتا ہے بلا لحاظ اس کے کہ کوئی اسے پاگل کہے گا“

مگر ان حالات میں اس کے لئے نہایت ضروری تھا کہ انتہائی کفایت شعاری سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی آمدنی کو اپنے کھانے پینے پہننے، کرایہ اور ادائے قرض پر تقسیم کر دیا اور ایک خاموش اور پرسکون زندگی گزارنے لگا۔

نیا مہمان

ایک دن اتوار کی صبح کو اسٹیفن اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ درس و تدریس کی محنت و مشقت سے اسے اتوار ہی کے دن کچھ راحت نصیب ہو جاتی تھی، کہ اس نے اپنے زینہ پر بھاری قدموں کی آواز سنی جو اس کی پڑوسن کے جوتوں کی آواز سے مختلف تھی۔

وہ گھبرا گیا اور اُس آواز کی طرف کان لگا کر سننے لگا۔ آنے والا شخص اس کا نام لیکر زور زور سے پکار رہا تھا۔ اسے

خیال ہوا کہ یہ آواز اس کے لئے نامانوس نہیں ہے، چنانچہ وہ جلد دروازہ کی طرف آیا اور دروازہ کھول کر دیکھا تو اس کا دوست ایڈورڈ کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا اور بڑی دیر تک گلے سے لگائے رہا۔ پھر بولا:-

میرے عزیز دوست تم نے اپنے وعدہ کو خوب پورا کیا، جس کے لئے میں تمہارا ممنون ہوں۔ میں تمہاری آمد کا بڑی جھپنی سے منتظر تھا۔

ایڈورڈ کہنے لگا:- ”اب تو میں تمہارے اس مختصرے گھر میں دو مہینہ تک مہمان رہوں گا۔ کیونکہ میرے سن بلوغ کو پہنچنے میں اتنی ہی مدت باقی ہے، میرے اور میرے چچا کے تعلقات بہت ناخوشگوار صورت اختیار کر چکے ہیں، چنانچہ میں اس کے گھر کو خیر باد کہہ چکا ہوں اور قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک ترکہ کا یہ جھگڑا ختم نہ ہو جائے گا میں ان کی صورت نہیں دیکھوں گا۔“

یہ کہہ کر وہ اندر آیا اور کہنے لگا: ”تمہارا یہ کمرہ بہت ہی خوبصورت اور خوش قطع ہے اور میرے اندر محسوس نہیں زیادہ بڑا ہے۔“

پھر اس نے اپنا کس کھولا اور اس میں سے عطر کی ایک شیشی، ایک کنگھا اور چند ریشمی رومال نکال کر اسٹیفن کو پیش کئے جنہیں اسٹیفن نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ اس کے بعد اسٹیفن اٹھا اور گوشت کا پارچہ جو اس نے کل کے لئے رکھ چھوڑا تھا بھونا اور دسترخوان بچھا کر اس پر رکھ دیا اور اس کے قریب ہی شراب کی بوتل اور پینر کا ایک ٹکڑا بھی رکھ ڈیا اور دونوں کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ وہ دونوں کھاتے جاتے تھے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔

دن بھر اسی طرح مہنس بول کر انھوں نے گزار دیا اور جب صوفے کا وقت قریب آ گیا تو اسٹیفن نے کمرے کے ایک کونے میں اپنے لئے فرش پر درمی بچھالی اور پلنگ ایڈورڈ کے لئے خالی کر دیا اور سو گئے۔

صبح کو مدرسہ سے پہلے اسٹیفن نے جو کچھ اس کے پاس تھا ایڈورڈ کے حوالہ کیا اور کہنے لگا: ”مجھے کل دو سو فرانک ماہوار ملتے ہیں، ساٹھ فرانک تو کھانے پینے میں صرف ہو جاتے ہیں اور باقی گھر کا کرایہ ادا کرنے اور سامان کی خریداری کے وقت جو قرض لیا تھا اس کی ادائی کے لئے بچا لیتا ہوں۔ میں گزشتہ دس دن میں پچاس فرانک صرف کر چکا ہوں اب جو کچھ باقی ہیں یہ ہیں، اب تم ہی انھیں خرچ کرو آج سے تم ہی اس گھر کے مالک اور اس کے نظم و نسق کے مختار ہو۔“

یہ کہہ کر وہ مدرسہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایڈورڈ نیچے اُترا، اور بازار جا کر گوشت، روٹی کچھ پھل اور شراب خرید لایا اور اس طرح بارہ فرانک سب کے سب خرچ کر دئے۔

جب اسٹیفن مدرسہ سے واپس آیا اور یہ سب سامان دیکھا تو بولا:-

”اے ایڈورڈ، کیا آج کسی کی دعوت تو نہیں ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں میرے آنے کی خوشی میں آج دعوت ہے۔“ اسٹیفن مسکرایا اور کہنے لگا:- ”تم نے بہت اچھا کیا جس بات کو میں بھول گیا تھا وہ تم نے یاد دلادی۔“ اور یہ کہہ کر دونوں

خانے میں مصروف ہو گئے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایڈورڈ کہنے لگا: ”میں اس کمرہ میں چند چیزوں کی کمی محسوس کرتا ہوں براہ کرم مجھے ان کے خریدنے کی اجازت دو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ صرف وہی چیزیں خریدوں گا جو بہت ضروری ہیں اور کم سے کم قیمت صرف کرنے کی کوشش کروں گا۔“ اسٹیفن کہنے لگا: ”بہتر ہے جو تمہاری خواہش ہو کر دو۔“

چنانچہ ایڈورڈ بازار گیا اور جب ایک گھنٹہ کے بعد واپس آیا تو ایک سیاہ تنومند گتے کی زنجیر اس کے ہاتھ میں تھی اور پیچھے ایک قد آدم آئینہ اور کپڑا ٹانگنے کا اسٹینڈ ایک مزدور کے سر پر تھا اس نے اسٹیفن سے کہا: ”مجھے وہ کمرہ بہت ہی برا لگتا ہے جس میں آئینہ نہ ہو، اور اس گھر سے مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے جس میں کتنا نہ بھونکے، اے اسٹیفن تمہیں یہ سن کر تعجب ہو گا کہ میں نے ان تمام چیزوں کی خریداری میں صرف بیس فرانک صرف کئے ہیں۔“

اسٹیفن یہ سن کر منہ سا اوپر کھینچنے لگا: ”ایڈورڈ تمہارا جنون بھی کس قدر دلچسپ ہے۔“ اس نے کہا: ”ہاں تو کیا زندگی بغیر جنون کے خوشگوار ہو سکتی ہے؟“ اور اس طرح مہینہ کی بیس تاریخ سے پہلے ہی پہلے دونوں کے ہاتھ خالی ہو گئے اور گتا آئینہ یا اسٹینڈ کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔

اسٹیفن کہنے لگا: ”اے ایڈورڈ، اب کیا کرنا چاہئے۔“ اس نے کہا: ”یہ مسئلہ اس قدر دشوار نہیں میں ابھی تمہارا سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو یقیناً بہت مفید ہوگی۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر چلا گیا اور کچھ دیر بعد اپنے ہمراہ ایک مزدور اور ایک کپڑے کوٹے ہوئے واپس آیا وہ کمرے کے دروازہ میں کھڑا ہو گیا، اور اس شخص سے کہنے لگا: ”لو اس پلنگ کو یہاں سے نکالو اس مختصر سے کمرے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں اور سونے والے کے لئے زمین سے بہتر کوئی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔ اور دیکھو یہ دونوں تکے بھی زائد ہیں انہیں بھی یہاں سے ہٹاؤ اگر ایک تکیہ کو موڑ کر سر کے نیچے رکھ لیا جائے تو پھر دو تکیوں کی ضرورت نہیں رہتی۔“

یہ کہہ کر وہ اسٹیفن کی طرف دیکھنے لگا اور بولا ”کیوں دوست میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔“

اسٹیفن یہ سن کر چونک پڑا، وہ اپنی میز پر سر جھکائے ہوئے موجد ولین کے نام خط لکھنے میں مصروف تھا۔ وہ اس کا مقصد سمجھ گیا اور کہنے لگا ”ہاں تم ٹھیک کر رہے ہو۔“

پھر ایڈورڈ نے پوچھا: ”کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ نازک شیشہ جو اس کھڑکی میں لگا ہوا ہے موسم سرما کی تند دھبیز ہواؤں کا مقابلہ کر سکے گا؟ یقیناً نہیں، تو پھر بجائے اس کے کہ ہم اسے ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کیا یہ عقل کا تقاضا نہیں ہے کہ ہم اس کی قیمت سے فائدہ حاصل کریں۔“

یہ کہہ کر وہ کھڑکی کی طرف بڑھا اور یکے بعد دیگرے اس کے تمام شیشے نکال کر مزدور کے حوالے کئے۔ اس کے بعد اس کی نظر پردے پر پڑی اور اسے دیکھ کر کہنے لگا: ”میرے خیال میں تو مختصر کمرے کے لئے اس قدر بھاری

پردے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اور وہ بھی مزدور کو دیدیا۔

پھر کہنے لگا: ”کیا تم اس صندوق میں کوئی ایسی چیز رکھنا چاہتے ہو جس کے چوری ہو جانے کا تمہیں خوف ہو؟“ اسٹیفن نے سنکر ہنس پڑا اور کہنے لگا: ”اگر میرے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو آج یہ نوبت ہی کیوں آتی؟“ تو پھر اس میں زیر دست تالے کی کیا ضرورت ہے؟“ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس تالے کو نکال کر مزدور کے سپرد کیا اور چاروں طرف کمرے میں اپنی تیز تیز نگاہیں دوڑانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہیں میز پر پڑیں، اسٹیفن ڈر گیا اور کہنے لگا: ”اے ایڈورڈ ٹھیر و میز کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگانا جب تک میں اس خط کو پورا نہ کر لوں۔“

ایڈورڈ مسکرایا اور بولا: ”اچھا میں اس میز کو ماجدولین کی خاطر چھوڑے دیتا ہوں۔“

اس کے بعد اس شخص سے تمام سامان کی قیمت ٹھیرا کر تیس فرانک میں اس کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسٹیفن کے پاس آیا اور کہنے لگا ”یہ جو کچھ ہوا اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ اسٹیفن نے کہا ”میری تو یہ رائے ہے کہ تم یہ قیمت مجھے دیدو، کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم اس معاملہ میں کچھ زیادہ دور اندیش ثابت نہیں ہو“ ایڈورڈ کہنے لگا:۔

”میرے دوست میرا خیال ہے کہ اب ہمارے درمیان اختلاف رائے شروع ہو گیا ہے۔ کیونکہ تم جزیسی کو پسند کرتے ہو جو مجھے نہیں بھاتی، اور میں فراخ دستی کو محبوب رکھتا ہوں جو تمہیں پسند نہیں آتی، لہذا ہمارے تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم تمہاری تنخواہ کو آدھا آدھا بانٹ لیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے حقے کو اپنی اپنی ضروریات پر صرف کرے“ یہ کہہ کر وہ ذرا دیر کے لئے خاموش ہو گیا پھر کہنے لگا:۔ ”دیکھو ہماری یہ علیحدگی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہماری رہنے کی جگہ بھی علیحدہ نہ ہو۔ لہذا یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اس کمرے کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں، اور تم دیکھو گے کہ میں کیسے انصاف اور خوبصورتی سے اس کو تقسیم کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ چومنے کی ایک کنکری اٹھا لایا اور کمرے کے عین وسط میں ایک خط کھینچ کر کہنے لگا: ”دیکھو یہ نصف میرا ہے اس میں میرا کتا میرا آئینہ اور میرا اسٹینڈر رہیگا۔ اور باقی نصف تنہا تمہارے لئے چھوڑتا ہوں۔ تمہارا حصہ میرے حقے سے کہیں مفید اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں کھانا پکانے کا چولہا، خط لکھنے کی میز اور وہ کھڑکی بھی ہے جس سے تمہیں پہنتے یا چادر اوڑھتے وقت تم اپنا ہاتھ بھی باہر نکال سکتے ہو۔“

اسٹیفن نے سن کر بہت ہنسنا اور اسے وہیں چھوڑ کر کسی کام سے باہر چلا گیا۔

انقرض ایڈورڈ اسی طرح اسٹیفن کے عیش و آرام کو مکدر، اس کے دماغی سکون کو برباد کرتا رہا اور اسٹیفن بڑے صبر و تحمل سے ان سب باتوں کو برداشت کرتا رہا کیونکہ وہ اس کا دوست تھا۔

قربانی

ایک دن جبکہ ایڈورڈ سیر و تفریح کے لئے گاؤں سے باہر چلا گیا تھا، اور اسٹیفن تنہا اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا صبح کے لکچر کے لئے موسیقی کے کچھ نوٹ رتب کر رہا تھا کہ دفعتاً اس نے زینہ پر قدموں کی آہٹ اور لوگوں کے بولنے اور زور زور سے چیخنے کی آوازیں سنیں وہ گہرا کھڑا ہو گیا اور دروازہ کھول کر دیکھنے لگا۔

اس نے دیکھا کہ ایک دراز قد تنومند چوڑا چکلا شخص کھدانوں میں کام کرنے والے آدمیوں کا لباس پہنے ہوئے، آنکھوں سے چنگاریاں برساتا اور منہ سے جھاگ اڑاتا ہوا، دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لئے ہوئے زینہ پر موجود ہے جون ہی اس کی نگاہ اسٹیفن پر پڑی وہ پوچھنے لگا ”کیا ایڈورڈ تم ہی ہو؟“

اسٹیفن سمجھ گیا کہ یہ شخص کسی بڑے ارادے سے آیا ہے، لیکن خوش قسمتی سے اس کے دوست کا صورت شناس نہیں ہے۔ اسے ایڈورڈ پر ترس آگیا اور اس انتقام کا سبب دریافت کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا اور کہنے لگا:

”ہاں میں ہی ایڈورڈ ہوں، کہو تمہارا کیا مطلب ہے؟“ اس کے جواب میں اس نے اسٹیفن کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اور کہنے لگا: ”شاید تیری وہ شجاعت اور بہادری جس نے تجھے میری بیوی کے ساتھ عشق کرنے اور میرے خاندان کی عزت کو خاک میں ملانے پر ابھارا، اس وقت تک تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گی جب تک کہ اس دریا کے کنارے، یہ تلواریں فیصلہ نہ کریں، اور دیکھو یہ لوگ جو میرے ساتھ ہیں ہماری اس عزت و آبرو کی لڑائی پر گواہ ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ ان میں سے جسے چاہے اپنا گواہ بنالے۔“

وہ معاملہ کی تہ کو پہنچ چکا تھا اور ایڈورڈ اور اس شخص کی بیوی کے تعلقات کے متعلق پہلے ہی کچھ کچھ سن چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ خاموشی سے چل دیا اور جب وہ دریا کے قریب پہنچ گئے تو دونوں نے اپنی اپنی ”تلواریں سونت لیں۔“

ایسے وقت میں اسٹیفن کو ماجدولین کا خیال آیا، اور سوچنے لگا کہ اگر وہ اسے اس وقت چند آخری جملے لکھ دیتا تو کیسا اچھا ہوتا چنانچہ وہ گواہوں کی طرف دیکھنے لگا اور بولا: ”کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس سے کوئی چھوٹا سا لفافہ مل سکتا ہے؟“۔ ان میں سے ایک شخص نے ایک لفافہ نکال کر اسے دیدیا۔ اور اس نے اس میں یہ مختصر سا جملہ لکھ دیا ”میں ایک شریف مقابلہ میں اپنی جان دے رہا ہوں اور اس آخری وقت میں بھی تمہارے ہی متعلق سوچ رہا ہوں۔ اے ماجدولین رخصت۔“

یہ پیام لکھنے کے بعد وہ چاروں طرف دیکھنے لگا، ایک ملاح جو دریا کے کنارے اپنی کشتی کے اگلے حصہ پر کھڑا ہوا تھا سمجھ گیا کہ وہ کسی ایسے شخص کی جستجو میں ہے جو اس کے اس خط کو مکتوب الیہ تک پہنچا دے، چنانچہ اس کی طرف

بڑھا اور بولا: ”جناب اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے اس خط کو جہاں حکم ہو پہنچا دوں۔“ اسٹیفن نے اس کا شکریہ ادا کیا اور لفافہ کی پشت پر پتہ لکھ کر اس کے حوالہ کیا۔

اس کے بعد لڑائی شروع ہو گئی، اور چند لمحوں میں اسٹیفن کا بازو بیکار ہو گیا۔ گواہوں نے یہ دیکھ کر لڑائی کے بند کر دینے کا فیصلہ کر دیا اور دونوں دشمنوں نے مصافحہ کر لیا۔

طاح ابھی تک بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا اس لئے اسٹیفن زمین پر پڑے ہی پڑے اپنی کمزور آواز میں اُسے کہنے لگا: ”تمہارے پاس جو خط ہے اسے پھاڑ ڈالو کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

یہ سن کر اس نے اس خط کو چاک کر دیا اور اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر اُس کے بازو پر باندھ دیا اور اُسے وہاں سے اُٹھا کر اس کے گھر لے گیا اور بستر پر لٹا کر مرہم پٹی میں مشغول ہو گیا۔

دوستی

اسٹیفن کا زخم بھر چکا ہے اور ایڈورڈ جو صبح کو یہاں سے جانے والا ہے اپنے دوست کے پاس بیٹھا ہوا اس سے کہہ رہا ہے۔

”اے اسٹیفن تم نے اپنے خون سے میرے دل کے صفات پر محبت کے جو نقوش قائم کئے ہیں وہ تازہ نیست محو نہیں ہو سکتے، اور تم نے اپنی اس تنگدستی و مصیبت میں جو غمخواری و مدارات کی ہے اُسے میں تمام عمر فراموش نہیں کر سکتا میں سمجھتا ہوں کہ کسی دوست نے اپنے دوست کے لئے اور کسی بھائی نے اپنے بھائی کے لئے وہ تکلیف برداشت نہ کی ہوگی جو تم نے میرے لئے برداشت کی ہے اور میں تمہارے ان احسانات کا بدلہ کبھی نہیں اُتار سکتا۔“

اسٹیفن کہنے لگا: ”میں نے تمہارے ساتھ کوئی ایسا احسان نہیں کیا جو بدلے کا مستحق ہو۔ تم میرے دوست ہو اور دوستی کے کچھ حقوق ہوا کرتے ہیں، اس لئے اگر تم شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہو تو تمہیں اس دوستی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جو بچپن سے ہم دونوں میں قائم ہے اور اگر کبھی کسی زمانہ میں تمہیں یہ موقعہ میسر ہو کہ تم میری مدد کے لئے اپنا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تو صرف محبت کے لئے ایسا کرنا، احسان کے بدلے کے خیال سے نہیں۔“

اے ایڈورڈ میں تو پیدائشی بد نصیب ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں بد نصیبوں کو دوست رکھتا اور اُن سے محبت کرتا ہوں، اس دُنیا میں فقر و فاقہ کی دوستی سے زیادہ مضبوط کوئی دوسری دوستی نہیں ہو سکتی، اور اگر مجھے ایسے دو شخصوں کی دوستی میں انتخاب کا اختیار دیا جائے، جن میں سے ایک فقیر ہو، جو اپنے فاقہ کو میرے فاقہ سے ملا کر اسے دو چند کر دے، اور دوسرا مالدار ہو جو اپنی مدد کا ہاتھ میری طرف بڑھا کر میری مصیبت و تنگدستی کو دور کر دے تو میں پہلے کو دوسرے پر ترجیح دوں گا۔

یہی وہ چیز تھی اسے ایڈورڈ کے میں نے تم سے محبت کی اور تمہیں اپنا عزیز دوست سمجھا۔ ہماری بد قسمتی ایک ایسا مرکز تھی جہاں پہونچکر ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم میں سے ہر شخص دوسرے کی مدد کرے گا، خواہ یہ زمانہ کتنے ہی طے ہوگا۔ اس کے بعد ایڈورڈ نے اسٹیفن کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیکر قسم کھائی کہ اس کے دل کی دھڑکن اس وقت تک کم نہیں ہو سکتی، اور اس کا سینہ اس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اسے زمانہ پر فخر مند اور کامیابی سے اسے ہم آغوش نہیں دیکھ لیگا۔ اس کے بعد اس نے نئی حاصل شدہ دولت میں سے اسٹیفن کو کچھ پیش کرنا چاہا لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ دینیوی آسودگی و سعادت کو اس قدر اترنا نہیں چاہتا ہے۔“ صبح کو اسٹیفن، ایڈورڈ کو رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایسی جگہ پہونچ گئے جہاں سے انھیں جدا ہونا تھا۔ یہاں وہ دونوں دیر تک گلے ملتے رہے۔ اور جب اسٹیفن گھر واپس ہوا تو غم کے آنسو اس کی آنکھوں میں جمنا شروع ہوئے تھے۔

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

”میں کل رات ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے کنارے پلا جا رہا تھا۔ جب صاف ہوا اور کھلی فضا میں پہونچا تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا پتوں میں ایک قسم کی بچپنی پھیلی ہوئی ہے اور وہ اپنی نرم دنازک آواز سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ ہوا میں بھی بڑی گرانی کے ساتھ جھولتی ہوئی چل رہی تھیں اور گہرے سیاہ بادلوں کے ٹکڑے بھی فضا میں ہاتھیوں کی طرح جھوم رہے تھے، مجھے محسوس ہو رہا تھا گویا میں ان کی گہرائیوں میں ایک مبہم اور نہ سمجھ میں آنے والی آواز سن رہا ہوں، جو کبھی قریب جاتی تھی اور کبھی دور ہو جاتی تھی۔

تھوڑی دیر میں، سینے دیکھا کہ وہ پرندے جو ابھی ابھی پانی پر اڑ رہے تھے جلدی جلدی اپنے گھونسلوں میں سٹپنے لگے۔ اور وہ جاندار جو ابھی پتھروں اور کنکریوں پر دوڑ رہے تھے اپنے اپنے بلوں میں سرکٹنے لگے۔ سیاہی ہر چیز کو اپنے رنگ میں رنگ رہی تھی اور پانی پر بھی اس کا سیاہ رنگ غالب آچکا تھا۔ آسمان وزمین اور ان دونوں کو ملانے والی چیز افق۔ کوئلے کی ایک گہری اور کھوکھلی کان معلوم ہو رہی تھی۔ جس کی ٹھوس دیواروں سے باہر نکلنے کے لئے جلیاں بیتاب تھیں۔ فطرت کی یہ خاموشی اور بے زبانی زیادہ دیر تک باقی نہیں رہی۔ کیونکہ فوراً ہی ایک زبردست طوفان نے اٹھکر درو دیوار کو جھنجھوڑ ڈالا، اور پتوں کو شاخوں سے علیحدہ کر کے کہیں کا کہیں لیجا کر پھینک دیا۔ اور اس کے بعد بادلوں کے سینوں کو چیرتی ہوئی اور ان میں سے اپنے اور جلیوں کے لئے راستے بناتی ہوئی بارش بھی آئی اور اس زور شور سے آئی کہ وادیاں لبریز ہو گئیں، میدان بھر گئے، نالے پانی اُگلنے لگے۔ اس وقت میں اپنے دوست ”قرن“ کی کٹی کے قریب پہونچ چکا تھا۔ یہ ایک غریب ملاح ہے جس نے پچھلوں دنوں میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

میں نے اس آسمانی مصیبت سے بچنے کے لئے اس کے گھر میں پناہ لی، میرا خیال تھا کہ وہ ایک وحشت خیز ویرانہ ہوگا مگر جوں ہی کچلی کچلی اور میں نے اس کے اندرونی منظر کو دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس قدر خوبصورت اور عجیب معلوم ہوا اس طاح کی بیوی اور بچے دو زانو بیٹھے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ آسمان کی طرف اپنے اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے غلگین اور درد بھری آوازوں میں خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے اور ہر چند وہاں نہ کوئی چراغ تھا اور نہ کوئی دوسری روشنی، لیکن میں اس تاریکی میں بھی ان کے چمکتے ہوئے چہرے دیکھ رہا تھا۔

میری آہٹ پا کر اس کی بیوی میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی: ”قرن، ابھی تک واپس نہیں آیا ہے، اور اسی پریشانی میں بیٹھے ہوئے ہم سب خدا سے دعا کر رہے ہیں کہ وہ اسے بخیریت ہمارے پاس پہنچا دے“ یہ منکر میں بید متاثر ہوا اور میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر دعائیں مانگنے لگا۔

دعا سے فارغ ہو کر جب میں نے اپنا سر اٹھایا تو قرن دروازے کی دہلیز پر کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کی بیوی ایک استقبال کے لئے دوڑی اور اس کی بھیگی ہوئی چادر اس کے سر سے اتارنے لگی، اس کے بچے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور وہ انھیں لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ پھر سب ملکر جب دسترخوان پر گئے تو اس کی پریشانیوں اور تکلیفوں کے متعلق سوالات کرنے لگے۔ میں بھی ان سب کے پاس بیٹھا ہوا ان کی باتیں سن رہا تھا، اور انکی سانسوں کی ٹھنڈک کو محسوس کر رہا تھا۔

ان کی اس حالت نے میری طبیعت پر بڑا گہرا اثر کیا، اور ہر چند میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی کی خوش نصیبی پر حسد نہیں کیا، لیکن اس وقت میں ان پر حسد کئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں اپنے دل سے کہہ رہا تھا کہ وہ عورت جو اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے جو اس کی اُلفت میں رو سکتی ہے، اور اس کی تکلیف پر آنسو بہا سکتی ہے، اور وہ بچے جو اپنے معصوم ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا کر اپنے باپ کی زندگی اور عافیت کے لئے دعا مانگ سکتے ہیں، اور وہ باپ جو اپنے بچوں کو اپنے سامنے ہنستا کھیلتا دیکھ کر خوشی سے رو دیتا ہے۔ کیا انکے علاوہ سچی مسرت کہیں اور نصیب ہو سکتی ہے اور اسے ماجدولین عنقریب ہمارا مستقبل بھی ایسا ہی ہوگا یعنی بہت ممکن ہے کہ ہم غریبوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں، لیکن اس عزت و افلاس کے باوجود بھی ہم بڑے خوش نصیب کہلائیں گے۔

حسب وعدہ میری ترقی میں اب صرف تین مہینہ کی مدت باقی ہے۔ اس کے بعد میں تمہارے پاس ولفانج آؤں گا، تمہارے والد کے سامنے اپنی شادی کی درخواست پیش کر دوں گا اور اپنی ہستی کو تمہارے خوبصورت ہاتھوں میں دیدوں گا اور اس دن کے بعد بدبختی کو ہماری طرف آنے کے لئے کبھی کوئی راستہ نہیں مل سکے گا۔

ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام

”سوزان اپنے گھر کو بلائیں چلی گئی اور مجھے افسردہ و آزرده چھوڑ گئی۔ لیکن میں بھی بہت جلد اس کے پاس جانے والی ہوں، کیونکہ میرے والد نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ ہم لوگ ایک ماہ بعد موسم سرما کے بقیہ دن وہیں گزاریں گے۔ وہاں پہونچ کر تمہیں پھر خط لکھوں گی اور کیا عجب وہیں ملنے کی کوئی صورت نکل آئے اور میں تمہیں دیکھ سکوں۔۔۔ دور ہی سے سہی۔“

ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام

”مجھے اور والد کو کو بلائیں آئے ہوئے آج تیسرا روز ہے، اور ہم دونوں سوزان کے گھر جہاں ہیں۔ میں اس سے ملکر بہت خوش ہوں۔

آج اس نے ہمارے لئے اوپیرا ہاؤس میں ایک کمرہ مخصوص کر لیا ہے۔ جہاں ہم لوگ ہر اتوار کی شام کو کھیل دیکھنے جایا کریں گے۔ دیکھو خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایسی جگہ مل گئی ہے جہاں ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں اور اگر ممکن ہو اتول بھی سکتے ہیں۔

اے اسٹیفن، تم میرے پاس ضرور آنا اور یہ خیال کر کے نہ رک جانا کہ تمہیں دوبارہ اس منحوس شہر کی صورت دیکھنا پڑے گی جسے تم نفرت کے ساتھ چھوڑ چکے ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم میری خاطر ان باتوں کو بھول جاؤ گے۔“

نئی زندگی

ماجدولین جب اپنے والد کے ہمراہ کو بلائیں پہونچی اور اپنی سہیلی سوزان کے گھر جہاں اُتری تو اس کے محل کی عظمت اور کمروں کی شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کے زرق برق ساز و سامان، قیمتی فرنیچر، چکدار ٹرٹ اور آرائش کی چیزوں سے اُس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، خواصوں اور خدمتگاروں کی کثرت اور ان کے رنگ برنگ لباس نے اسے اور بھی تعجب میں ڈال دیا۔

جب وہ آئینہ کے سامنے اپنے آپ کو دیکھتی، اور پھر اپنے برابر کھڑی ہوئی خادمہ پر نظر ڈالتی تو شرم جاتی اور ایسا محسوس کرتی گویا وہ اس کا اور اس کے ان چھوٹے چھوٹے دھاری دار دیھاتی کپڑوں کا جنہیں اس نے اپنے ہاتھ سے سیاہے، مذاق اڑا رہی ہے۔

سوزان نے اس کے لئے مختلف قسم کے ریشمی، مخملی، سوتی، اونی لباس تیار کر رکھے تھے۔ ایک بہت عمدہ سوٹ

اس کے ناچنے کے لئے، دوسرا کلب کے لئے اور تیسرا کھانے کے لئے سلوار کھاتا، گھر میں پہننے کی قمیصیں اور شنبلی کے لباس بھی بنوائے تھے۔ چنانچہ ماجدولین رفتہ رفتہ اس زندگی کی عادی ہو چلی اور کوبلائنس کی دوشیزاؤں کے ساتھ ہنسنے بولنے لگی اور یہ نئی زندگی اس کے لئے اتنی دلچسپ ثابت ہوئی کہ اسٹیفن کی محبت کے علاوہ ماضی کی ہر چیز اس کی نظر میں بے کیف معلوم ہونے لگی۔

فتنہ

ایک روز رات کو ماجدولین، سوزان کے کمرے میں اس سے ملنے کے لئے گئی۔ یہ کمرہ بہت ہی خوبصورت و دلکش تھا، اُس کی دیواریں اور فرش سُرخ قالینوں سے آراستہ تھے، کھڑکیوں اور دروازوں پر سفید ریشم کے پردے پڑے ہوئے تھے، جن کے بیچ بیچ میں چاندی کے باریک تار جھلک رہے تھے اور کناروں پر چمکتے ہوئے موتیوں کی جھال بہت ہی حسین معلوم ہو رہی تھی۔

کمرے میں چاروں طرف قیمتی گریسیاں اور خوش قطع میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ جن پر سونے چاندی کے برتن اور گلدان بڑے سلیقے سے سجے ہوئے تھے۔

اس نے دیکھا کہ سوزان کے سامنے چاندی کے چھ چھوٹے چھوٹے صندوق رکھے ہوئے ہیں، سوزان اسے دیکھتے ہی کہنے لگی: ”آج میرے منگیتر نے میرے لئے شادی کا تحفہ بھیجا ہے کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گی“ اور یہ یہ کہہ کر سوزان نے وہ سب صندوق ایک ایک کر کے اس کے سامنے کھولنا شروع کئے، کسی میں ہار، کسی میں بالیاں، کسی میں کنگن، کسی میں جوشن غرض بہترین طرز کے قیمتی موتیوں سے جڑے ہوئے مختلف قسم کے زیورات ان میں بندھے تھے۔

ماجدولین ان سب چیزوں کو دیکھ کر سکتے میں رہ گئی اور گھنٹہ بھر تک ایک ایک چیز کو اپنے ہاتھ میں لیکر اُلٹی پلٹی رہی۔ اس کے بعد اس نے میرے کی چھوٹی سی بالیاں لیکر اپنے کانوں میں پہن لیں، یہ دیکھ کر سوزان نے ماجدولین سے اصرار کیا کہ وہ تمام زیورات پہن کر دیکھے۔ چنانچہ وہ تمام زیورات پہن لیا۔ اور آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔

سوزان بولی: ”اے ماجدولین، تیرا حُسن اس زیور کا اور یہ زیور تیرے حُسن کا کس قدر محتاج ہے اور میری تو خدا سے بھی آرزو ہے کہ تجھے ایک ایسے شخص کی دہن دیکھوں جو صاحب دولت و ثروت ہو اور تیری زندگی کو دولت و محبت سے لبریز کر دے۔“

اس کے بعد وہ اُس خوبصورت محل کا ذکر کرنے لگی جو اسکے منگیتر نے اس کے لئے کوبلائنس کے قریب وجوار میں بنوایا ہے اور جس میں عیش و عشرت کے تمام شاہانہ ساز و سامان اُس کے لئے فراہم کئے ہیں، یہ سن کر ماجدولین نے اپنا

سر تھوڑی دیر کے لئے جھکا لیا۔ اُس نے اس وقت تک اپنی اور اسٹیفن کی محبت کے راز کو سوزان سے چھپایا تھا لیکن اب شاید وہ چھپانے پر قادر نہ تھی اس لئے کہنے لگی: ”اے سوزان، اگر میں اپنے کسی راز کا ذکر تمہارے سامنے کروں تو کیا تم اس کے مخفی رکھنے کا وعدہ کر سکتی ہو؟“ وہ بولی: ”کیوں نہیں اگر تمہارے راز کو میں بھی نہیں چھپا سکتی تو پھر کون چھپا سکتا ہے؟“

اس کے بعد ماجدولین نے اپنی اور اسٹیفن کی محبت کا پورا قصہ اسے سُنا دیا اور اس عہد کا بھی ذکر کیا جو ان دونوں نے آپس میں کیا تھا کہ موت کے علاوہ کوئی چیز ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے گی۔ سوزان کہنے لگی: ”ہاں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب وہ نیا نیا تمہارے گھر میں آکر رہا تھا تو تم نے مجھے اس کے متعلق لکھا تھا کہ وہ نہ خوبصورت ہے اور نہ اپنے اندر کوئی خاص جذب و کشش رکھتا ہے۔“

ماجدولین کہنے لگی: ”بیشک وہ ایسا ہی ہے، لیکن اُس کا اخلاق مجھے اس کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر ایک ناواقف شخص کے بچانے کے لئے دریا میں کود پڑے اور موت کی پروا نہ کرے وہ یقیناً بڑا بلند ہمت، عالی حوصلہ اور شریف انسان ہوگا اور اے سوزان تم تو خود اس منظر کو دیکھ چکی ہو اور تمہیں نے تو یہ بہب کچھ مجھے لکھا تھا اس کے متعلق تم خود جانتی ہو۔“

سوزان بولی: ”تو کیا یہ وہی شخص ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں یہ وہی ہے۔“ سوزان نے کہا: ”تب تو میں اُسے خوب اچھی طرح جانتی ہوں، اور اس روز تو میں اسے دیکھ کر بڑے اچنبھے میں رہ گئی تھی۔ تو کیا یہ شخص کچھ مالدار بھی ہے؟“ ماجدولین کہنے لگی: ”نہیں مالدار تو نہیں ہے۔ لیکن وہ اس کوشش میں ہے کہ ضرورت کے لائق کمائے اور پھر میرے لئے یہ کیا کم ہے کہ وہ مجھ سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ شاید ہی کسی نے کسی سے کبھی کی ہو۔“

سوزان کہنے لگی: ”اے ماجدولین محبت دنیا کی کوئی بڑی نعمت نہیں، خوشحالی اور دولت اس سے زیادہ بڑی نعمت ہے، اس لئے کوئی عورت پسند نہیں کر سکتی کہ دنیا اور اس کی تمام دلچسپیوں کو چھوڑ کر کسی سمنسان ویرانہ میں اپنی زندگی گزار دے۔“

ماجدولین یہ سن کر چپ ہو گئی، اس لئے نہیں کہ وہ اپنی سہیلی کی رائے سے متفق تھی، بلکہ اس لئے کہ وہ بہت زیادہ شرمیلی اور باحیا لڑکی تھی۔ اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

تاشا گاہ

ماجدولین اور سوزان ”اوپیرا“ میں بیٹھی ہوئی ہیں، اور ان کے برابر ہی ماجدولین کا پھوپھی زاد بھائی البرٹ اور سوزان کا چچا زاد بھائی اشمید بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں دو خوبصورت نوجوان ہیں، جو لباس کے دلدادہ

اور زیب و زینت کے فریفتہ ہیں، ان کی پوری زندگی صرف دو گھنٹوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ایک منہنے کے لئے، دوسرا عورتوں کو اپنے اوپر مائل کرنے کے لئے اس لئے پہلے گھنٹے میں یہ لوگ اپنی عقل کھو بیٹھتے ہیں اور دوسرے گھنٹے میں اپنی دولت، یہاں تک کہ ان کے پاس نہ وہ رہ جاتی ہے نہ یہ۔

یہ دونوں بیٹھے ہوئے اپنے سامنے کی عورتوں کو دیکھ رہے تھے، اگر انھیں کوئی خوبصورت چہرہ نظر آ جاتا تھا تو اسے دیکھ کر اکٹھ مارنے لگتے تھے اور اگر کوئی بد صورت شکل دکھائی دیتی تھی تو زور سے منہس پڑتے اور اس کا مذاق اڑاتے لگتے تھے، سوزان تو شروع ہی سے اس تمسخر میں ان کا ساتھ دیر ہی تھی، لیکن اس کی دیکھا دیکھی ماجدولین بھی کچھ دیر بعد شریک ہو گئی اور اس بے باکانہ مذاق سے مانوس ہو کر اس میں حصہ لینے لگی۔

یہ لوگ اسی خوش طبعی میں مصروف تھے کہ یکایک البرٹ چیخ اٹھا، اور ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے جو سب سے پچھلی صف میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا: ”کیا آپ لوگوں نے اس انسان نامہندر سے زیادہ عجیب چیز کبھی دیکھی ہے؟“

ارشمید بولا: ”ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ آج سے پہلے بھی میں نے اس جانور کو کہیں دیکھا ہے، مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کہاں۔“ سوزان بولی: ”شاید وہ ابھی ابھی اندر آیا ہے اور میرے خیال میں یہ وہی بھوت ہے جس سے بچپن میں ہمیں ڈرایا جاتا تھا اور وہ ہمیں نظر نہیں آتا تھا۔“

ارشمید نے کہا: ”اگرچہ اس کا لباس قیمتی ہے لیکن بالکل ایسا جسے پہلے زمانہ میں صرف بھانڈا پہنا کرتے تھے۔“ البرٹ کہنے لگا: ”ممکن ہے کسی فرعون کی قبر یا کسی عجائب خانہ کی الماری سے چُرا لایا ہو۔ کیونکہ وہ شخص جو اس قدر قیمتی لباس بنوا سکتا ہے، کیا ایک کنگھا نہیں خرید سکتا جس سے وہ اپنے کبھرے ہوئے پریشان بالوں کو درست کر لے۔“ سوزان بولی: ”خیر مرد کے لئے بد شکل ہونا تو کوئی عیب نہیں ہے، شرم کی بات تو یہ ہے کہ وہ ایسے خوبصورت کپڑے پہنے جو اس کی شکل و صورت سے مختلف ہوں۔“

اسکے بعد جب سب لوگ ماجدولین کی طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پیچھے جا کر بیٹھ گئی ہے اور کانپ رہی ہو سب لوگ اس کا حال پوچھنے لگے، وہ بولی ”مجھے سردی لگ رہی ہے میرا جسم کانپ رہا ہے اور سر گھوم رہا ہے۔“ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ شخص جس کا یہ لوگ ابھی ابھی مذاق اڑا رہے تھے اسٹیفن تھا اور وہ اس کی توہین برداشت نہ کر سکتی تھی۔ ماجدولین کو اس حالت میں دیکھ کر یہ لوگ ذرا دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور جب اس کی یہ کیفیت دور ہو گئی تو پھر اپنی جگہ واپس آکر بیٹھ گئے۔

شہزادی دیر کے بعد ماجدولین اسٹیفن کو دیکھنے لگی یہاں تک کہ اس نے بھی اسے دیکھ لیا اور ایک ہلکے سے قسم کے ساتھ اسے سلام کیا جسے ماجدولین کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھ سکا۔ شہزادی دیر کے بعد کھیل ختم ہو گیا

اور لوگ گھروں کو جانے کے لئے کھڑے ہو گئے، چلتے وقت ماجد ولین نے اسٹیفن پر ایک آخری نگاہ ڈالی اور اس کے بعد سب لوگ رخصت ہو گئے۔

اسٹیفن کا خط ماجد ولین کے نام

”اے ماجد ولین، اُس روز جدائی کے پورے ایک سال بعد تمہیں دیکھا۔ اللہ اللہ! وہ بھی کیسی مبارک گھڑی تھی جب میں نے زمانہ کی تمام بدسلوکیوں کو معاف کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں نے اپنی زندگی میں بدبختی کا تلخ ذائقہ کبھی چکھا ہی نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں دد رہی سے دیکھ کر میری خوشی کا یہ عالم ہے تو اس وقت میرا کیا حال ہوگا جب میری زندگی کا سہرا تمہاری قربت کی مسرتوں سے لبریز ہوگا۔

اے ماجد ولین، میں سمجھتا ہوں کہ میرا کدو دل شاید اس خوش نصیبی کا تحمل نہ کر سکے گا اور جس دن یہ مسرت مجھے نصیب ہوگی، وہ غالباً میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

اے ماجد ولین معاف کرنا۔ میں نے تمہارے متعلق ذرا بدظنی سے کام لیا تھا اس لئے ضروری ہے کہ تمہارے سامنے اپنے اس گناہ کا اقرار کروں اور تم سے اسے چھپا کر دوسرے گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

جس وقت تم جو تیج کو چھوڑ رہی تھیں، اس وقت میرا دل وحشت و خون سے دھڑک رہا تھا کہ مبادا اس نئی زندگی کا جس میں تم قدم رکھ رہی ہو، تم پر بھی وہی اثر پڑے، جو اُن کمزور طبیعت جو اُن لڑکیوں پر ہوا کرتا ہے، جن کے دل ہر نئے ماحول کے اثر سے بدل جاتے ہیں اور جن کی خواہشوں پر ہر اس فضا کا رنگ چڑھ جاتا ہے جس میں وہ سانس لینے لگیں لیکن جب میں نے تمہارے چہرے پر غم کی وہی جھلک دیکھی جو ہمیشہ نظر آیا کرتی تھی، اور تمہاری سوگوار نیم باز آنکھوں کو بدستور غم و اندوہ سے لبریز پایا تو تمہارے متعلق میرے تمام شکوک و شبہات جو دراصل محض محبت کی بدگمانیاں تھیں، بالکل دور ہو گئے۔

پھر بھی مجھے تم سے ایک بات کہنا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم اسے غور سے سنو گی۔ اُس روز تا شاگاہ میں میں نے تمہیں بہت ہی باریک کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔ جس سے تمہارے بازو، تمہارے شانے اور تمہاری گردن صاف جھلک رہی تھی اور لوگوں کی بیتاب نگاہیں تم پر پڑ رہی تھیں۔ یہ بات مجھ پر بہت گراں گزری۔

میں سمجھتا ہوں کہ تم خود اپنی خوشی سے اس طرح لوگوں کے سامنے آنے پر راضی نہ ہوئی ہو گی۔ بلکہ تمہیں دوسروں کی رائے کے آگے جھکنا پڑا ہوگا۔ بہر حال تم سے میری یہی التجا ہے کہ تم اس لباس کو اتار کر پھینک دو، اور وہی کپڑے پہن لو جو پہلے پہنا کرتی تھیں، تاکہ تمہارا جسم لوگوں کی گستاخ نگاہوں سے محفوظ رہ سکے۔

اچھا سلام شوق قبول کرو۔ محترمہ سوزان سے بھی آداب کہنا۔ میں ہر اتوار کی شام کو تمہارے دیکھنے

کے لئے ادبیرا پہنچا کروں گا، اور تم سے ملنے کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالوں گا۔“

سازش

سوزان، ماجدولین کے کمرے میں داخل ہوئی اور دیکھا کہ وہ بہت مغموم انداز میں ایک خط اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پڑھ رہی ہے، اس نے جلدی سے یہ خط اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور پڑھنے لگی۔ پڑھکر وہ پہلے تو مسکرائی، پھر بولی:

”اے ماجدولین، اب یہی کسر رہ گئی ہے کہ اسٹیفن آئندہ تجھے یہ حکم دے کہ تو اپنی صورت بگاڑے، اپنی ایک آنکھ پھوڑے، اپنی ناک تھوڑی سی کاٹ لے، یا اپنے اگلے دو چار دانت اکھاڑ دے تاکہ لوگ تجھے دیکھ کر ڈر جائیں۔“

بہتر تو یہ ہے کہ تو اپنے ہاتھ میں ایک بانسری لے لے اور جس طرح یونان و رومہ کے شاعر اپنے زمانوں میں کیا کرتے تھے تو بھی اپنے منگیتر کے حسن و جمال کے گیت گاتی پھرے۔ افسوس اسٹیفن بھی کس قدر بے وقوف اور کوتاہ نظر ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اس نے ابھی سے تیرے لئے اپنے گھر میں کوئی نیچرا بنوایا ہوگا اور شادی کے بعد اس میں تجھے بند کر دے گا اور خود اس کے دروازہ پر کھڑا ہو کر پاسبانی اور نگہبانی کے فرائض انجام دے گا تاکہ تجھے گستاخ نگاہوں سے محفوظ رکھ سکے۔“

ماجدولین کہنے لگی: ”میری بہن آپ اس پر غلط اتہام نہ لگائیں، وہ حد سے زیادہ مہذب اور انتہائی شریف النفس انسان ہے، لیکن وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور ہر چاہنے والا۔ غیور و خود دار ہوا کرتا ہے۔“

سوزان کہنے لگی: ”خدا مجھے اور تجھے دونوں کو ایسی محبت سے محفوظ رکھے، خدا کی قسم اگر آسمانی فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ملازمتی کا تاج اپنے سر پر رکھ کر، جنت اور اس کی تمام ابدی لذتیں پیش کر کے مجھ سے اس شرط پر شادی کرنا چاہے کہ وہ مجھے کسی نیچرے میں بند کر دے گا، تو خدا گواہ ہے میں اس ابدی زندگی پر، ناگہانی موت کو اور کسی بے آب و گیاہ جنگل کے ویران عبادت خانہ میں پڑے رہنے کو ہزار بار ترجیح دوں گی۔“

یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور بولی: ”ناممکن ہے اے ماجدولین کہ میں تجھے آگ میں ڈھکیں دوں اور اس وحشی درخت کے قبضہ میں رہنے دوں جو تیری زندگی کو برباد کر دینا چاہتا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اپنی خواہ گاہ میں چلی گئی۔

اوجین کا خط اسٹیفن کے نام

”کمان اعلیٰ کا حکم صادر ہوا ہے کہ ہم لوگ سفر کے لئے تیار ہو جائیں، ہمیں کہاں جانا پڑیگا ابھی نہیں معلوم، لیکن

کمانڈر کا خیال ہے کہ بہت بڑی لڑائی پر جانا ہے، بہر حال اگر زندگی ہے تو پھر لکھوں گا ورنہ کسی اخبار میں میرا نام مقتولین کی فہرست میں پڑھ لینا۔

اے اسٹیفن مجھے ایک ضرورت ہے اور امید ہے کہ تم میری اس ضرورت کے پورا کرنے میں بکل سے کام نہ لو گے میرے گھوڑے کی زین پرانی ہو گئی ہے اور اس کے تسمے بہت کمزور ہو چکے ہیں، مینے اپنی اس مہینہ کی پوری تنخواہ صرف کر دی ہے۔ اور اب میرے پاس اس قدر نہیں ہے کہ نئی زین خرید سکوں۔ اس لئے دس دن سے پہلے پہلے مجھے دس فرانک بھیج دیجئے۔ لیکن اگر اس مدت میں نہ بھیج سکیں تو پھر زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ مجھے نہیں مل سکیں گے۔

محترمہ ماجدولین کی خدمت میں آداب - والسلام

شادی

ایڈورڈ کے چلے جانے کے بعد اسٹیفن نے کوشش کی کہ وہ اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرے، چنانچہ مہینوں میں وہ بدقت پنچاس فرانک جمع کر سکا تھا، لیکن اس میں سے سات فرانک تو اس نے اپنے اس لباس کے کرایہ میں صرف کر دئے تھے جسے پہنکر وہ ماجدولین کے دیکھنے کے لئے اوپیرا گیا تھا، اور پانچ فرانک میں ریل کا ٹکٹ خریدا تھا اس کے علاوہ کچھ کھانے پینے میں خرچ ہوا تھا اور ان تمام اخراجات کے بعد اب اس کے پاس صرف ۲۲ فرانک بچے تھے۔ جو تنچے سے واپس ہونے کے بعد کئی دن تک وہ اپنے پچھلے خط کے جواب میں ماجدولین کے خط کا انتظار کرتا رہا، لیکن بد قسمتی سے کوئی جواب نہ آیا، اسے خیال ہوا کہ شاید وہ اس کی پچھلی تحریر سے کچھ رنجیدہ ہو گئی ہے۔ اس لئے اس نے ایک دوسرا خط معذرت کا لکھا، اس کے جواب میں ماجدولین کا خط آیا کہ بیشک وہ ناراض تھی، کیونکہ اس نے اس کے متعلق سخت بدگمانی سے کام لیا تھا لیکن اب اس نے معاف کر دیا ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی خواہش کی کہ وہ تماشگاہ میں آسمان چھوڑے۔ چنانچہ اس نے ماجدولین کے دیکھنے کے لئے اتوار کو وہاں جانے کا قصد کیا۔

جس دن وہ جانے والا تھا اسی دن صبح کو اسے اپنے بھائی کا خط ملا جسے پڑھ کر وہ بہت ملول و رنجیدہ ہوا اور دل میں سوچنے لگا کہ اس وقت اس کے پاس ان چند سکوں کے سوا کچھ نہیں اور آج اسے خود ان کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اسے ماجدولین سے ملنے کے لئے جانا ہے۔

وہ حیران تھا اور کچھ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ آخر کار محبت کا جذبہ غالب آیا اور وہ سفر کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے ایک نیا جوڑا جوتہ کا خریدا کیونکہ اس کا جو تانکافی بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ وہ اس لباس کو بھی کرایہ پر نہ لے سکا جو پچھلی مرتبہ لیا تھا اور مجبوراً اپنے موجودہ لباس ہی کو درست کرنا پڑا۔ جب اس نے پیوند لگائے،

اور بچی کے دھاگے جہاں جہاں سفید ہو گئے تھے انھیں روشنائی لگا لگا کر سیاہ کیا اور اس کے بعد ایک گاڑی پر سوار ہو کر کوئٹہ روانہ ہو گیا۔ وہاں پہونچ کر ایک چھوٹی سی دوکان پر اس نے کھانا کھایا اور اوپر میں داخل ہو گیا۔

ماجدولین اپنے درجہ میں موجود نہ تھی، لیکن اسے نہ پا کر وہ کچھ زیادہ پریشان نہیں ہوا اور سوچنے لگا: ”مکن ہے کسی درجہ سے جلدی نہ آسکی ہو لیکن اس کا آنا یقینی ہے وہ ضرور آئے گی۔“

اس کے بعد وہ تماشہ دیکھنے لگا۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک امیر شخص کسی عورت پر فریفتہ ہوا اور وہ عورت بھی اس مرد سے محبت کرنے لگی۔ شدہ شدہ اس مرد پر مالی مشکلات کا ہجوم ہوا اور وہ نادار ہو گیا، اس کا نادار ہونا تھا کہ اس عورت نے بھی اپنی نگاہیں پھیر لیں اور مرد نے بہت منت و زاری کی لیکن عورت پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ چونکہ اب وہ فقیر و محتاج ہو چکا ہے اس لئے وہ اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

اسٹیشن تماشہ کے یہ مناظر دیکھ کر بہت مکر ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ ”یہ لوگ درحقیقت کبھیوں اور بدکار عورتوں کے اخلاق و عادات پر دلوں پر پیش کرتے ہیں، ماجدولین ہی کو دیکھو کہ وہ میری محبت میں میری پرستش کرنے کو طیار ہے نہ میں کچھ خوبصورت ہوں جو مجھ میں اپنی خواہشات نفسانی کی پرستش کرے اور نہ مالدا ہوں جو مجھ میں اپنی زیب و زینت کو تلاش کرے۔ اچھا ہوا کہ اس نے یہ تماشہ نہ دیکھا ورنہ اس کو سخت آؤت و تکلیف ہوتی۔ اس کے بعد بھی ایک گھنٹہ تک وہ اس کی آمد کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہیں آئی، وہ ڈر رہا تھا کہ میں بیمار نہ ہو گئی ہو اس لئے جانے سے پہلے پہلے اس کا حال معلوم کرنے کے لئے وہ تماشگاہ سے نکلا۔ سوزان کے محل کی طرف روانہ ہو گیا لیکن وہ حیران تھا کہ اس تک پہونچنے کی کیا صورت اختیار کرے۔

جب وہ محل کے قریب پہونچ گیا تو اس نے دیکھا کہ محل بھٹہ نور ہوتا ہوا ہے اور بے شمار فانوس کمروں اور برآمدوں میں جل رہے ہیں، جن کی روشنی کھڑکیوں اور روشن دانوں میں سے نکل نکل کر باہر پڑ رہی تھی۔ محل میں ہر طرف گانا بجانا ہو رہا تھا اور مختلف قسم کے ساز چھڑے ہوئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ نوکر ادھر سے ادھر شراب کے برتن ہاتھوں میں لئے، کھانوں کے طباق اٹھائے آ جا رہے ہیں۔

جب دروازے کے قریب پہونچا تو اس نے دیکھا کہ — — — سامنے بہت سی گاڑیاں قطار اندر قطار کھڑی ہوئی ہیں، اور ایک گاڑی کے بالائی حصے پر ایک کوچوان تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا ہے، وہ اس سے پوچھنے لگا: —

”آج اس محل میں یہ چہل پہل کیسی ہے۔“ اس شخص نے پہلے تو اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے حرکت کئے بغیر کہنے لگا: ”اس محل کے مالک کی لڑکی سوزان کی شادی ہے۔“

یہ سن کر اسے اطمینان ہوا اور ماجدولین کی صحت کی طرف سے جو فکر تھی وہ دور ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے

بٹ جانے کا ارادہ کیا، لیکن وہ چاہتا تھا کہ گھر جانے سے پہلے ماجدولین سے کسی نہ کسی طرح دو باتیں کر لے چنانچہ وہ محل کے قریب ہی ایک سائبان کے نیچے جا کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اتنے میں اس نے ایک گاڑی کو آتے ہوئے دیکھا جس میں کوئی بڑا آدمی سوار تھا، گاڑی کے رکتے ہی تمام نوکرا اسکی طرف دوڑ پڑے، اور یہ بھی ان لوگوں میں مل جُل گیا کیونکہ خود اس کی ہئیت بھی ان لوگوں سے کچھ مختلف نہ تھی۔

آنے والا شخص گاڑی سے اُترا اور لوگوں کی جھرمٹ میں آگے بڑھا یہاں تک کہ صحن سے گزر کر ایوانِ رقص تک پہنچ گیا، اور اس کے پیچھے پیچھے سب نوکر بھی اندر چلے گئے۔ لیکن اسٹیفن تنہا دروازے پر رہ گیا اور دروازے کے شیشوں میں سے اندر کی طرف جھانکنے لگا۔

اُس نے دیکھا کہ یہاں رقص کا ہنگامہ برپا ہے اور گوشہ گوشہ سے مسرت اُبل پڑی ہے، اس کی نگاہیں ماجدولین کو ڈھونڈ رہی تھیں کہ دفعتاً اس نے ایک شخص کے ساتھ اسے ناچتے ہوئے دیکھا اور غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کا دوست ایڈورڈ ہے۔ یہ دیکھ کر وہ کچھ زیادہ پریشان نہیں ہوا۔ لیکن جس یات نے اسے برہم و ملول کر دیا وہ یہ تھی کہ ماجدولین باریک لباس پہنے ناچ رہی تھی جس سے اس کا سارا جسم جھلک رہا تھا، اس نے دیکھا کہ اس کا سینہ ایڈورڈ کے سینہ سے ملا ہوا ہے، اس کا سر اس کے کندھے پر رکھا ہوا ہے اور ایڈورڈ اس کا ہاتھ پکڑ کر ناچنے کی بجائے اسے بار بار اپنے سینہ سے لگا لیتا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک شعلہ سا اس کے جسم سے نکلا اور کئی دفعہ اس کے جی میں آیا کہ دروازہ کھول کر اندر پہنچ جائے اور بزمِ عیش و طرب کو درہم و برہم کرتا ہوا ماجدولین تک جا پہنچے، لیکن پھر اس شرم سے کہ لوگ اس کو موٹے اور دیزیز کیڑوں میں دیکھ کر کیا کہیں گے وہ رگ گیا اور اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ ناچ میں ہمیشہ اور ہر جگہ یہی ہوتا ہے۔ سب لوگ اسی قسم کے کپڑے پہنا کرتے ہیں اور اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں، میں اسے کیوں ملامت کروں اور کیوں اس پر عتاب کروں، جو اس کا دل چاہتا ہے پہنے اور جس کے ساتھ اس کا دل چاہتا ہے ناچے، میرے لئے یہی کیا کم ہے کہ ان تمام لوگوں میں تنہا میں ہی وہ شخص ہوں جس کی وہ پرستش کرتی ہے۔

اب ماجدولین رقص سے فارغ ہو چکی تھی اور دروازے کے قریب ہی ایک سو فٹ پر بیٹھنے کے لئے ایڈورڈ کے ساتھ آ رہی تھی۔

اسی وقت اجانک دروازہ کھلا اور ایک خوش لباس نوجوان اترتا ہوا اور ایک کوڑا اپنے ہاتھ میں ہلاتا ہوا اندر سے باہر آیا، اور اسے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھ کر کوئی نوکر سمجھا اور ڈیپٹ کر کہنے لگا: ”جاؤ اور ہمارے سائیس کو ہمارے آنے کی خبر کرو۔“

پہلے تو وہ کچھ دیر رکا، لیکن پھر اس خیال سے کہ کہیں اس کا راز فاش نہ ہو جائے، بے زور دروازے کی طرف تیزی سے چل دیا، وہ سائیس کا نام بھول چکا تھا اور کوئی دوسرا نام لیکر پکار رہا تھا یہ دیکھ کر اس نوجوان کو سخت

طیش آیا اور آگے بڑھ کر اس زور سے اُس کے منہ پر ایک کوڑا رسید کیا کہ اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ اسٹیفن نے اس زلت کو خاموشی سے برداشت کیا اور چپکا نکلا ہوا باہر چلا گیا۔

وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپک کر اس کے زخمی رخسار تک پہنچا اور وہ تکلیف سے بیتاب ہو گیا۔

بیمار

اسٹیفن جب جوتنچ واپس آیا تو اسے ایک عزیز کا خط ملا۔ اور یہ وہی عزیز تھا جس نے کو بلائس سے چلتے وقت اسٹیفن کی جیب میں کچھ سکے ڈال دئے تھے۔ اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ اپنے آخری لمحات زندگی میں ایک بار اور اسے دیکھ لے۔

اسٹیفن اس خط کو پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا، اس نے مدرسے سے چند روز کی رخصت طلب کی لیکن تین روز سے زیادہ کی اجازت نہ مل سکی اور وہ اسی قدر چھٹی لیکر روانہ ہو گیا۔

یہ شخص ایک مکان میں جو کو بلائس کے قریب واقع تھا تنہا رہا کرتا تھا اور یہاں وہ اور اس کے ملازم کے علاوہ کوئی تیسری صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس کی بیوی حال ہی میں مر چکی تھی اور اس کے قریبی رشتہ داروں میں سوائے اُسکے ایک چچا زاد بھائی کے جو دولت مند تو تھا لیکن نہایت سخت دل، کوئی اور نہ تھا۔

رات کے وقت اسٹیفن وہاں پہنچا اور دیکھا کہ وہ در در و کرب سے کراہ رہا ہے، وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ اس کو بات کرنا بھی دشوار تھا، اور جب کچھ کہنا چاہتا تھا تو آواز کبھی اس کے سینہ ہی میں رُک جاتی تھی اور کبھی ہونٹوں تک آکر رہ جاتی تھی۔

اسٹیفن اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کو تسلی دینے لگا۔ اس کے مریض دوست نے کہا: ”مجھے بیماری کے بستر پر پڑے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے علیحدہ نہیں ہوا ہوں اور میں اب اپنی زندگی سے تنگ آگیا ہوں، اس لئے اے اسٹیفن وعدہ کرو کہ مجھے اس وقت تک چھوڑ کر کہیں نہ جاؤ گے جب تک قدرت میرے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کرے۔“

چنانچہ اسٹیفن نے اپنی رخصت کے تینوں دن اس کے سرہانے بیٹھ کر گزار دئے اور تیسرے روز جب اسے واپسی کا ارادہ کیا تو بیمار رونے لگا۔ اب اس کی حالت بہت خراب تھی اس کا بدن بھاری پڑ چکا تھا۔ پتلیاں پھیل چکی تھیں اور دنیا سے جدا ہونے میں چند دن باقی تھے۔

اس نازک حالت میں چھوڑ کر چلا جانا اسٹیفن کو بھی مناسب نہ معلوم ہوا اور اس نے اپنے مدرسہ کو لکھا کہ

اسے چند روز کی رخصت اور عطا کی جائے۔ کئی روز کے شدید انتظار کے بعد آخر ایک روز جواب آیا کہ: ”ہم نے دوسرے آدمی کا انتظام کر لیا ہے، اب آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، مدرسہ کے ذمہ آپ کی جو تنخواہ نکلتی تھی وہ بھی جاری ہے۔“

موت

دُنیا کی آنکھوں میں نیند آچکی تھی اور خوابگاہوں پر خاموشی پوری طرح مسلط ہو چکی تھی، زمین پر چلنے والے رُک گئے تھے، اور آسمان میں اُڑنے والے ٹھہر گئے تھے، لیکن اسٹیفن اپنے قریب لموت بیمار کے سر ہانے بیٹھا ہوا اب بھی جاگ رہا تھا۔ اور رات کی خاموشی میں زندگی اور موت کی کشاکش کا بیمار کے چہرہ پر مطالعہ کر رہا تھا، اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا وہ کسی بے آب و گیاہ ڈراؤنے جنگل میں کھڑا ہوا ہے، جہاں سے بھوتوں کی چیخنے کی آوازیں چلی آرہی ہیں اور اس کا دل خوف و وحشت سے دھڑک کر باہر آ جانا چاہتا ہے۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ مرنے والے کے سینہ میں جسم و روح کے درمیان جنگ جاری ہے، روح جسم سے نکل جانا چاہتی ہے، اور جسم اس سے چمٹ رہا ہے، یہاں تک کہ جسم اس مقابلہ میں تھک گیا، اور آنکھوں میں جنبش اور نبضوں کی تڑپ بھی ختم ہو گئی۔

اسٹیفن اس کے سینہ پر جھبک گیا اور کان لگا کر سننے لگا، مگر کوئی آواز اس کے کانوں میں نہیں آئی، وہ سمجھ گیا کہ قصہ ختم ہو گیا، زندگی کے عناصر منتشر ہو کر اپنے مرکز کی طرف لوٹ گئے اور جو اُڑنے والے تھے وہ اُڑ گئے، بھوتہ نشین ہونے والے تھے وہ تہ نشین ہو گئے۔

اسٹیفن کبھی اس پر روتا اور کبھی خود اپنے اوپر۔ اس کی گزشتہ زندگی کی پوری کتاب اس کے سامنے تھی، وہ اسے صفحہ پہ صفحہ پڑھ رہا تھا، اور اس کی ہر ہر سطر بلکہ ہر ہر لفظ پر غور کر رہا تھا، اسے ہر جگہ بد قسمتی، بد بختی، احتیاج، غم، تنگدستی، ناکامی کے الفاظ لکھے ہوئے نظر آتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی کتاب زندگی کے آخری صفحہ پر پہنچا تو اسے مدرسے سے اپنی معزولی کی خبر ملی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی گئی جس سے کمرہ کے در و دیوار گونج اُٹھے۔

وہ بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا اور خدا جانے کیا کیا سوچتا رہا، جب کوئی ایک گھنٹہ کے بعد اسے اپنا سر اٹھایا، تو اس کی دونوں آنکھیں سرخ انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں، اس کے چہرے کا رنگ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر ایک نئی کھال چڑھا دی گئی ہو وہ اپنے چاروں طرف کمرے میں اس طرح نگاہیں دوڑانے لگا جس طرح کوئی سانپ اپنے سوراخ میں چکر لگا رہا ہو، یہاں تک کہ اس کی نگاہ اس صندوق تک پہنچی جس میں مرنے والے کی پونجی

جمع تھی وہ بہت دیر تک اس صندوق کو گھورتا رہا اور اسی پر اس کی نگاہیں جمی رہیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا اس وقت اسکی دونوں آنکھیں اس صندوق کی کیلوں میں سے دو چمکدار کیلیں ہیں۔

پھر وہ یک ایک کھڑا ہو گیا۔ وہ اس وقت کچھ دیوانہ سا معلوم ہو رہا تھا۔ اور چیخ چیخ کر کہنے لگا: ”مجھے اپنی زندگی میں ضرور کامیاب ہونا ہے، زمانہ ہرگز مجھ پر غالب نہیں آسکتا۔ وہ صرف اپنی لوگوں کو مغلوب کر سکتا ہے جو کمزور ہیں، اور اپنی لوگوں پر غالب آسکتا ہے جو کند ذہن اور بیوقوف ہیں اور میں ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہوں۔ اس لئے یقیناً بڑی بڑی اور بہت ہمتی ہوگی اگر میں اپنی زندگی کو زمانے کے حوالے کر دوں، کون زمانہ؟ کیسا زمانہ؟ میں آپ اپنا زمانہ ہوں، میں آپ اپنی زندگی کا مالک ہوں، اگر کارزار زندگی میں لوگوں کے قدم اکھڑ گئے تو یہ وہی لوگ تھے جو صرف ایک نقطہ پر جمے رہے اور آگے نہ بڑھے، اگر یہ لوگ زندگی کے تھپیڑوں کے ساتھ ساتھ اپنا رخ بھی بدلتے رہتے تو ضرور کامیاب ہوتے۔“

وہ کون لوگ ہیں جو عالیشان کوٹھیوں اور محلوں کے مالک ہیں، بڑی بڑی زمینوں اور شاداب باغوں کے شٹیکہ دار ہیں، سونا جن کے خزانوں سے اس طرح اہل رہا ہے، جس طرح شعلے تنور سے کیا یہ لوگ جرائم پیشہ اور ڈاکو نہیں ہیں؟

پھر وہ کون لوگ ہیں جو رات بھر بھوک سے تڑپتے رہتے ہیں، دن بھر رزق کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں، لیکن روٹی کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک گھونٹ انھیں اس وقت تک میسر نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے عوض چاد بھرنون جگر پیش نہ کریں، کیا یہ لوگ شریف اور باعزت نہیں ہیں؟

ملکیت اور وراثت کا قانون بھل چیز ہے، کیونکہ جو لوگ مالک ہیں وہ چور ہیں، اور جو لوگ ان کے وارث ہیں وہ وہ چوروں کے بچے ہیں، لیکن میں اس وقت تک اپنے آپ کو چور نہیں کہہ سکتا جب تک میں کسی شخص کا قلم حیات نہ چھین لوں اور نہ میں اس وقت تک اپنے آپ کو ظالم کہہ سکتا ہوں جب تک میں کسی سچے اور راست باز انسان پر ظلم نہ کروں۔

وہ انھیں خیالات و تصورات میں بڑبڑاتا رہا، اور کمرے میں ادھر سے ادھر لائے لائے قدم رکھتا ہوا ٹہکتا رہا۔ پھر یکایک وہ ٹھہر گیا اور اپنے سامنے بڑی ہونی لاش کو دیکھ کر کہنے لگا:

”اے شخص آخر کار تو مر ہی گیا۔ اب یہ مال جو تو نے چھوڑا ہے، تیرے کس کام کا، تیری بلا سے اب اس کا مالک تیرا کوئی دوست ہو یا دشمن، اے شخص کیا یہ تیرے لئے مناسب تھا کہ تو اس دولت کی وصیت میرے حق میں کر جاتا کیونکہ میں تیرا دوست تھا، وہ دوست جس نے تیرے آخری وقت میں تیری غنچا دی کی، اور ایسے وقت میں تیرا ساتھ دیا جب کوئی دوست اور کوئی رفیق تیرا ساتھ نہ دے سکا میں تیرے چچا کے لڑکے سے کمیں زیادہ تیری دولت کا محتاج ہوں۔ وہ تو

پہلے ہی سے آسودہ حال ہے اور اسے کچھ پروا نہیں تیری دولت اُسے ملے یا نہ ملے، اسلئے جس کام کو تو اپنی زندگی میں نہ کر سکا میں اُسے تیرے مرنے کے بعد تیری طرف سے انجام دوں گا۔“

اس کے بعد وہ نعش کی طرف سے منہ موڑ کر روپے کے صندوق کی طرف بڑھا اور اس کی کنڈی پر اپنا ہاتھ رکھ ڈالا۔ ہاتھ کا رکھنا تھا کہ اُس کا تمام جسم کانپنے لگا، اور اسے ایسا معلوم ہونے لگا گویا تمام کمرے میں ہر طرف آنکھیں ہی آنکھیں ہیں جو اُسے گھور رہی ہیں اور مردے کی روح اس کے جسم کے ایک ایک مسام سے غضب آلود نکلا ہیں اس پر ڈال رہی ہے۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے وہیں کادہیں ٹھٹھک گیا۔ لیکن پھر ہمت کی اور کنڈی کو ہٹا دیا۔ کنڈی کے ہٹتے ہی دروازہ کھلا اور ایک زور کی آواز اس کے کھلنے سے پیدا ہوئی۔ وہ کانپنے لگا اور سمجھا کہ یہ کسی سپاہی کی آواز ہے جس نے اسے صندوق کھولتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔

وہ صندوق کے پاس سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ارد گرد دیکھنے لگا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا اس نے پھر جو اس جمع کر کے صندوق سے نوٹ نکالے اور چراغ کی دھیمی روشنی میں انھیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا لیکن اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خون جو کچھ دیر پہلے اس کی رگوں میں جوش مار رہا تھا، اب اس کی روانی ختم ہونے لگی ہے۔ اور ٹھنڈے پسینے کے قطرے پیشانی سے پے در پے اس کے چہرے پر ٹپکنے لگے اور اسے ایک ایسا گہرا سگوا محسوس ہوا جیسے مرگی کے دورہ کے ختم ہونے کے بعد محسوس ہوا کرتا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا صندوق اس کے سامنے بل رہا ہے، اور خود بخود پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے ایک چمکدار آئینہ کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس آئینہ میں اسے اپنی شکل نظر آ رہی ہے۔ وہ اپنی اس شکل کو دیکھ کر ڈر گیا اور اپنے تئیں نہ پہچان سکا۔ اس نے اپنے چہرے کی شکن میں وہ مکرہ کیفیت دیکھی جو عام طور پر مجرموں اور گناہگاروں کے چہروں میں دکھائی دیتی ہے۔ اور اپنی دونوں آنکھوں میں وہ بے رنگی پائی جو عموماً ان لوگوں کی آنکھوں میں نظر آتی ہے جن کے سروں پر جلاؤ تلوار لئے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔

وہ لرزنے لگا، کانپنے لگا اور نوٹ یکے بعد دیگرے اس کے ہاتھ سے گرنے لگے۔ اسی وقت یکایک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اپنا بھاری ہاتھ اسکے کندھے پر رکھ دیا ہے۔ پہلے تو اس نے اس طرف کچھ زیادہ توجہ نہ کی اور اسے بھی اپنے ہی متوش خیالات کا نتیجہ سمجھا لیکن جب ہاتھ کی ٹھنڈک بھی اسے اپنے کندھے میں محسوس ہونے لگی تو وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو اس طرح سکیر لیا جس طرح کوئی شخص اپنے سر پر کسی خطرناک چیز کو گرتے ہوئے دیکھ کر ساڑ جاتا ہے۔

اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھوں سے پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہی مردہ اسکے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔

اور سرے پاؤں تک برہنہ اپنی پتھر ملی بے نور آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہے، اس نے ڈر کر ایک چیخ ماری اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اسے اپنے پاس سے ڈھکیل دیا۔ چنانچہ وہ اپنے بستر سے دور زمین پر جا کر گر پڑا۔ اسکا سر کمرے کے پختہ فرش سے ٹکرایا اور پھر سناٹا چھا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ کچھ پاگل سا ہو گیا، اس نے چراغ اپنے ہاتھ سے پٹخ دیا، اور دوڑا کہ جلدی سے دروازے کھول کر باہر نکل جائے، لیکن اندھیرے میں راستہ نہ پاسکا۔

وہ ہر طرف کمرے میں دوڑنے لگا، اس کا خیال تھا کہ غش اس کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور وہ جہاں جاتا ہے اسکے تعاقب میں پہونچ جاتی ہے۔ آخر وہ اس دوڑ دھوپ سے تھک گیا، اور سیہوش ہو کر گر پڑا۔

جو کچھ اس نے دیکھا، وہ کوئی وہم و خیال نہ تھا، بلکہ حقیقت تھی۔ ہوا یہ کہ اس کے دوست کے جسم میں کچھ کچھ جان باقی تھی، جب اس نے آخری مرتبہ اپنی آنکھیں کھولیں تو اس نے صندوق کو کھلا ہوا دیکھا اور ایک ایسے شخص کو جسے اب وہ پہچانتا بھی نہیں تھا اپنے کاغذات اٹتے پٹتے ہوئے پایا۔ انسان کی فطری حرص جو پیدائش سے لیکر موت تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی اپنی پوری قوت کے ساتھ بھڑک اٹھی، وہ بستر مرگ سے اٹھ کھڑا ہوا اور جھپٹ کر چور کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر جو ہونا تھا وہ ہوا، وہ کمرے کے فرش پر گرا اور گرتے ہی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

سٹیفن، رات بھر سیہوش پڑا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور سورج کی کرنیں روشن دان میں سے گزر کر کمرے میں پھیلنے لگیں۔ اس وقت اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے گرد و پیش دیکھنے لگا، زمین پر پڑا ہوا چراغ، کھلا ہوا صندوق بکھرے ہوئے کاغذات اور زمین پر پڑی ہوئی لاش۔ یہ دیکھ کر یکے بعد دیگرے رات کے تمام واقعات اسکی آنکھوں میں بھر گئے۔ وہ مشکل اٹھا اور پھیلی ہوئی چیزوں کو اپنی اپنی جگہ رکھ دیا، اور لاش کو اس کے بستر پر اٹا کر ایک چادر اڑھادی۔ دن چھپنے سے پہلے پہلے لاش کو دفن کر دیا گیا اور اسٹیفن، جو تیج کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن جس وقت وہ گھر پہونچا تو تھک کر چور ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے بستر پر پڑ گیا اور بہت دنوں تک اٹھنے کے قابل نہ ہو سکا۔

ایڈورڈ

ایڈورڈ، ماجدولین کے ساتھ اسی رات سے دلچسپی لینے لگا تھا جس رات اسٹیفن نے ان دونوں کو شیشوں کے پیچھے سے ایک دوسرے کے ساتھ ناچتے ہوئے دیکھا تھا۔ چنانچہ وہ وقتاً فوقتاً سوزان کے گھر جانے لگا اور ماجدولین بھی بہت جلد اس سے مانوس ہو گئی۔ وہ جب کبھی اس کے پاس بیٹھا تو مجلسوں کے قصے سنایا کرتا وہ نام بنام ہر اچھے والی اور ناچنے والے کا ذکر کرتا، فنی حیثیت سے ان کی اداکاری پر محاکمہ کرتا اور عشق و محبت کی تمام وہ داستانیں سناتا جو محفل رقص و سرود کا معمول ہیں۔

ماجدولین، چونکہ اس دنیا میں نئی نئی داخل ہوئی تھی، اس لئے اس ذکر سے زیادہ دلچسپ لینے لگی۔ ایڈورڈ کی عادت تھی کہ اگر اٹائے گفتگو میں کبھی اسٹیفن کا ذکر آجاتا تو اس کی سید تعریف کرتا اور زمانہ گزشتہ میں ان دونوں پر فرائیبتنگدستی وسعت و احتیاج کے جو دو مختلف دور گزرے تھے ان کا تذکرہ کرتا اور اس کے بعد بڑے پردرد اور غمگین ہجہ میں اس کی موجودہ زندگی کا حال بیان کرتا جسے وہ آجکل جو تیج میں گزار رہا تھا۔

ایڈورڈ اسی طرح رفتہ رفتہ اسے اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو گیا یہاں تک کہ ماجدولین اس کے بغیر چین سی رہنے لگی اور جب وہ اس کے پاس سے ہمتا تو اسے ڈھونڈنے لگتی اور یہ سمجھتی کہ درحقیقت وہ محض اسٹیفن کی خاطر اس سے محبت کر رہی ہے، حالانکہ اگر فریب نفس کے پردے اس کی نگاہوں سے اٹھ گئے ہوتے تو اسے معلوم ہو جاتا کہ وہ دراصل اس کی خاطر اسٹیفن کو فراموش کرنے لگی ہے۔

سوزان اپنی سہیلی ماجدولین اور اپنے رشتہ دار ایڈورڈ کے تعلقات کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ وہ ایڈورڈ کی بعض نالائقیوں سے خوب واقف تھی۔ لیکن اس کے خیال میں یہ عیوب اسی کی ذات سے مخصوص تھے، اور کسی دوسرے کی طرف تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے ایڈورڈ کو سمجھایا کہ وہ شیخ مولر سے اپنے تعلقات پیدا کرے اور چونکہ مولر علم نباتات کا بڑا شائق تھا اور جو شخص اس علم سے واقفیت رکھتا تھا وہ اس کی بڑی عزت کرتا تھا، اس لئے وہ ایڈورڈ سے بہت جلد ملوث ہو گیا کیونکہ اس نے بھی مدرسہ میں علم نباتات کے کچھ سبق پڑھے تھے، اور جو بات اسے معلوم نہ ہوتی تھی وہ اپنے باغ کے مالی سے پوچھ لیتا تھا۔ اس نے اپنے باغ میں مختلف قسم کے عمدہ عمدہ پودے پھولوں کے نصب کرائے اور ان کی خصوصیات کا غور سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد اس نے مولر سے دوستی کی ابتدا کی، اسے اپنے گھر لایا اور اپنے باغ کی سیر کرائی۔ اور اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں مولر اسے پسند کرنے لگا۔

عورت کا ضمیر

ماجدولین کو نہ اسٹیفن سے نفرت ہوئی اور نہ ایڈورڈ سے محبت، لیکن وہ ایک نئے رنگ میں ضرور رنگ گئی، چونکہ اب وہ محفلوں اور جلسوں سے دلچسپی لینے لگی تھی، رقص گاہوں اور تفریح گاہوں سے مانوس ہو گئی تھی، دوسری لڑکیوں کی دیکھا دیکھی گاتے اور ناچنے لگی تھی اس لئے زندگی کا مفہوم اس کے نزدیک بھی وہی ہو گیا جو دوسروں کا تھا اور وہ اسٹیفن کو بھول گئی کیونکہ وہ بھی گزری ہوئی زندگی کی تصویروں میں سے ایک تصویر تھا اور ایڈورڈ سے مانوس ہو گئی، کیونکہ وہ اس کی نئی زندگی سے تعلق رکھتا تھا۔

بائیں ہمہ جب وہ خالی الذہن ہو کر غور کرتی، اور زندگی کے بارے بارے لگ ہو کر جب اسے خلوت میں چوتی اور اپنے دل کی کہانیوں پر ایک نگاہ ڈالنے کی فرصت ملتی تو اسٹیفن کی تصویر اپنی نا آدانی و زرد مدنی، کزہنی و تنگدستی اور

بچتی و بے نصیبی کے ساتھ پھر اس کے سامنے آجاتی۔ آنسوؤں سے بھری ہوئی اس کی آنکھوں کا منظر، عشق و محبت کی آگ میں اس کے جلتے ہوئے دل کا خیال اسے تڑپا دیتا، وہ اس کے لئے بیقرار ہو جاتی اور اشک آلود ہو جاتی، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد جب یہ بادل چھٹ جاتے اور ایوانِ رقص میں چلتے ہوئے چہروں، متبسم نگاہوں، زرتار کپڑوں، خوش آب و ہوا، اگر دن میں پڑے ہوئے ہاروں اور ہنگامہ مسرت و نشاط کا خیال آ جاتا تو پہلی تصویر پھر دھندلی ہو جاتی شادی کے دو ماہ بعد ایک روز صبح کو سوزان، ماجدولین کے کمرے میں آئی اور کہنے لگی: ”ماجدولین کچھ تمہیں خبر ہے کہ کل رات ہم نے اور تمہارے والد نے ملکر کیا طے کیا ہے؟“ اس نے کہا ”نہیں مجھے نہیں معلوم“ کہنے لگی: ”یہ طے کیا ہے کہ ہم سب لوگ یہاں سے ”شان مارک“ چلیں اور وہاں دو تین ہفتے سب میرے شوہر کے جہان رہیں پھر وہاں سے ”ولفانج“ چلیں جو قریب ہی چند میل کے فاصلے پر ہے اور ایک ہفتہ تمہارے یہاں ٹھہریں اور کھیتوں اور باغیچوں کی اچھی طرح سیر و تفریح کریں اور پھر اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

یہ سن کر پہلے تو ماجدولین کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا، لیکن پھر کسی خیال سے اس کے چہرے کی شگفتگی ختم ہو گئی اور وہ افسردہ نظر آنے لگی۔ کیونکہ یہ سیر و تفریح حقیقتاً عزیز دوستوں سے جدائی کا پیش خیمہ تھی اور سمجھتی تھی کہ چند ہی دن بعد پھر وہ اپنے گاؤں میں وحشت و تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگی اور کوبلاش کی محفلوں اور وہاں کی چہل پہل سے دور ہو جائے گی۔

سوزان اس کے دل کی اس کیفیت کو سمجھ گئی لیکن انجان بنی رہی اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی ”اور ہاں، اس سیاحت میں ایڈورڈ بھی ہمارے ساتھ ہوگا اور اس کی وجہ سے ہماری دلچسپیاں بہت بڑھ جائیں گی کیوں ماجدولین تم بھی میری اس رائے سے ضرور متفق ہوگی؟“

ماجدولین، اس اشارے کو پہچان گئی اور بولی: ”تمہیں اختیار ہے اپنے عزیزوں اور دوستوں میں سے جسے چاہو اپنے ساتھ لے جاؤ مجھے اس سے کیا بحث کہ کون شخص جائے گا اور کون نہیں جائے گا۔“

سوزان یہ سن کر مسکرائی اور بولی: ”نہیں اس سفر میں ایڈورڈ تمہارے منگیتر کی حیثیت سے تمہارے ساتھ ہوگا۔“

ماجدولین یہ سن کر پریشان ہو گئی اور بولی: ”اے سوزان، میں تم سے کہ چکی ہوں کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتی۔“ سوزان کہنے لگی: ”آخر کیوں کیا بات ہے؟ کیا کوئی لڑکی اس سے زیادہ عقلمند، اس سے زیادہ ہوشیار اس سے زیادہ ہنر مند اور اس سے زیادہ شریف شوہر کی تمنا کر سکتی ہے؟ پھر یہ کہ وہ تم سے محبت بھی کرتا ہے اور اس کی زندگی کا یہی ایک مقصد ہے کہ وہ تمہیں مسرور و شاد کام دیکھے!“

ماجدولین کہنے لگی: ”یہ سب کچھ ہی مگر اس شخص کی سی محبت کہاں؟“ سوزان بولی: ”ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے کیونکہ وہ تم سے عقلمند لوگوں کی طرح محبت کرتا ہے۔ احمق اور نادانوں کی سی محبت نہیں کر سکتا۔“

وہ شخص جس کے متعلق تم یہ سمجھ رہی ہو کہ وہ تمہاری محبت میں بے قرار ہے، وہ تم سے محبت قطعاً نہیں کرتا۔ بلکہ ایک ایسی خیالی عورت سے محبت کرتا ہے جو صورت اس کے ذہن و خیال کی پیداوار ہے وہ تمہاری پرستش نہیں کرتا، بلکہ تمہارے اندر اس خدا کی پرستش کرتا ہے جو اس کے خیال میں تمہارے جسم میں حلول کئے ہوئے ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے باپ دادا پتھر کے ٹکڑوں اور پیڑوں میں خداؤں کا جلوہ دیکھتے تھے۔

وہ تجھے آسمانی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ سمجھتا ہے، جس کا چہرہ نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے، جس کے دو سفید و شفاف، سورج کی شعاعوں کی طرح چمکدار بازو ہیں اور جو خواہشات کے مفہوم سے نا آشنا اور لذتوں کی دنیا سے بیگانہ ہے۔ اے ماجدولین، یاد رکھ کہ تیری تباہی کا سب سے پہلا وہ دن ہو گا جب شادی کے بعد گزشتہ محبت کا پردہ اس کی نگاہوں سے اٹھنے لگے گا اور تو اپنی اصلی رنگ روپ اور شکل و صورت میں اس کے سامنے موجود ہو گی۔ اس وقت وہ تیرے اور تیری اس خیالی تصویر کے فرق کو محسوس کرے گا اور مجبور ہو گا کہ تجھے حقارت و نفرت کی نگاہوں سے دیکھے۔

اس لئے اے ماجدولین اگر تو چاہتی ہے کہ اپنی قدر و منزلت کو اس کے دل میں اُسی طرح محفوظ رہے قرار رکھے، تو پھرے لئے ضروری ہے کہ تو اس سے کبھی شادی نہ کرے، کیونکہ تجھے کھو کر جو صدمہ اسے پہنچے گا وہ اس صدمہ سے زیادہ سخت نہ ہو گا۔ اپنی امیدوں اور تمناؤں کے ضلالت ایک ایسی عورت کو دیکھ کر ہو گا جو اس عورت کے علاوہ کبھی جس کا وہ منظر تھا اور جس کے لئے اُس کی آغوش محبت و انتہی۔

زندگی اور اس کی فریب کاریوں سے جس قدر میں واقف ہوں، اے ماجدولین، تم نہیں ہو سکتیں، زندگی کے تجربات ہمیں بتاتے ہیں کہ میاں بیوی کے تعلقات میں عشق کا تعلق بہت کمزور اور مصلحت کا تعلق بہت مضبوط و مستحکم ہے، محبت ایک پھول ہے اور دولت اس پھول پر پڑی ہوئی اوس ہے، پھر اگر یہ اوس چند روز تک اس پھول پر پڑے تو اس کی پتیاں کھلا کر گر پڑیں اور ہوا میں اڑ جائیں۔

نفس کی وہ عجیبی کیفیت جسے لوگ عام طور پر عشق و محبت، سوز و گداز کے نام سے یاد کرتے ہیں، درحقیقت ایک بیماری ہے، یاد رکھو کہ زندگی کو خوبصورتی سے گزارنے کے لئے بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر بد قسمتی سے یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو محبت کے تمام جذبات یکسر سرد پڑ جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی محبت عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ آگ اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک موت ان دونوں کے درمیان حائل نہ ہو جائے۔ اے ماجدولین، تو غریب ہے اور اسٹیفن تجھ سے زیادہ غریب ہے، اس لئے تم دونوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے لئے ایسا رفیق زندگی تلاش کرے جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ دوسرے کو خوش نصیب بنا سکتا ہے اور اس کی زندگی کو مسرت و شادمانی سے معمور کر سکتا ہے اور اگر تمہاری یہی خواہش ہے کہ تم اس سے

بیوفانی نہ کرو تو انسان کی سب سے بڑی وفاداری یہی ہے کہ وہ اپنی ذاتی منفعت پر دوسرے کی مصلحت کو ترجیح دے اور اس کی سعادت اور کامرانی کے راستے میں اپنی خواہشات اور آرزوؤں کی قربان کر دے۔

اس لئے تو بھی اس کے ساتھ یہی سلوک کر اور اس کے فراق کی تلخی، اور رنج محرومی کو اس کی خاطر برداشت کر مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام و نامراد رہ کر جرم کا ارتکاب نہ کرے یا وہ زندگی کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات پانے کے لئے خودکشی نہ کرے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھ اس کا خون تیری گردن پر ہوگا۔

ماجدولین یہ سن کر سر جھکائے ہوئے دیر تک روتی رہی اور پھر ذرا گردن اٹھا کر کہنے لگی: ”اے سوزان، اس وقت تم مجھے تنہا چھوڑ دو، میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔“

فوجی اخبار

”کل ہمارے لشکر کا دشمن کے لشکر سے مقابلہ ہوا، اور دس گھنٹہ تک برابر لڑائی ہوتی رہی، دشمن کی قوت ہم سے بہت زیادہ تھی اور قریب تھا کہ ہم مایوسی سے دوچار ہوں کہ یکایک ہمارا ایک کمانڈر جس کا نام ”اوہین ولز“ تھا، دشمن پر بلائے آسمانی کی طرح ٹوٹ پڑا اور اُسے دیکھ کر پورے لشکر میں غیرت و حمیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس کی کمان میں پورے لشکر نے اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔“

مگر اس جنگ کے اختتام پر اس بہادر فوجی افسر پر ایک ایسا حادثہ گزر گیا جس نے ہماری فتح کی تمام خوشی کو خاک میں ملا دیا۔ جس وقت وہ دشمن کا پیچھا کرتا ہوا جا رہا تھا یکایک اس کے گھوڑے کی زین کا تسمہ ٹوٹ گیا، جو شاید پہلے ہی سے پُرانا اور کمزور تھا، اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ فوج کے سپاہی اُسے اٹھا کر شکر گاہ میں لیگئے ابھی تک اس میں کچھ کچھ جان باقی تھی وہاں ایک گھنٹہ اس نے سخت تکلیف میں گزارا، اور اپنے کسی بھائی اسٹیفن کو یاد دلاتا رہا، ہمارے لشکر کو اس کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔“

نیا گھر

ایک روز اسٹیفن اپنے نئے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا، اور معمار اس کے بعض حصوں کی اصلاح و درستی میں مصروف تھا، کہ اس نے اپنے دوست ”فرنز“ کو آواز دی اور جب وہ قریب آگیا تو اس سے کہنے لگا:۔

”اے فرنز، کیا وہ دونوں نئے گھر جیسا کہ ہم چاہتے تھے مکمل ہو گئے؟“

اس نے کہا ”جی ہاں، وہ تو مکمل ہو چکے ہیں، بلکہ دیواروں پر پلاسٹر بھی ہو چکا ہے اور کھڑکیوں میں شیشے بھی لگ گئے ہیں۔“

یہ سکر وہ بہت خوش ہوا پھر مالی کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ”کیوں مالی کیا تم نے پھولوں کے وہ درخت جو میں نے کل بھیجے تھے لگا دئے؟“

مالی نے جواب دیا: ”جی ہاں، لگا دئے، آپ دیکھیں گے کہ دیوار پر پھیلی ہوئی وہ انگور کی سلیس کیسی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔“ اسٹیفن نے کہا: ”میں تم سے پہلے پہچکا ہوں کہ چہار دیواری کے اندر اور باہر ہفتہ کی سبیل چڑھانا نہ بھول جانا، یاد ہے نا؟“

مالی نے جواب دیا: ”خوب یاد ہے جناب۔“

پھر اسٹیفن گھر کے اندر آیا، اور نیچے کی منزل پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالتا ہوا بالا خانہ پر چڑھ گیا، اور صحن میں کھڑے ہو کر جس کے چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے خود بخود کہنے لگا: ”گھر تو بالکل ویسا ہی طیار ہو گیا جس کا خاکہ میں نے آج سے دو سال پیشتر بیٹھ کر بنایا تھا، نیچے کی منزل میں کھانے کا کمرہ، باورچی خانہ، اسٹور روم اور نوکر کمرہ کمرہ ہے، بالائی حصے میں مہانوں کا کمرہ، سونے کا کمرہ، شیخ موکر کا کمرہ اور کتب خانہ ہے۔“

اس کے بعد اُس نے پانچویں کمرہ کا دروازہ کھولا، اس پر ایک نگاہ ڈالی اور کچھ سوچ کر رونے لگا، اسکی دہنوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور ایک آہ بھر کر کہنے لگا: ”اے اوجہ بن میری تو یہی آرزو تھی کہ تو میری خوشحالی میں بھی اسی طرح شریک ہوتا جس طرح میری بدبختی میں شریک رہا تھا، لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ میرے اور تیرے درمیان تفریق کر دے، اے میرے بھائی میں تجھے عمر بھر روٹکا اور جب تک زندہ ہوں تیرے غم سے نجات نہیں پاسکوں گا۔ دن یونہی گزرتے چلے جائیں گے اور زمانہ یوں ہی کروٹیں بدلتا رہے گا، لیکن یہ کبھی نہ بھول سکوں گا کہ تو نے اپنی انتہائی ضرورت کے وقت چاندی کے چند سکے مجھ سے طلب کئے اور ان کے دینے میں میں نے نجل سے کام لیا اور یہی تیری ہلاکت کا باعث ہوا، تو نے اپنی زین کی درستی کے لئے مجھ سے روپیہ طلب کیا تھا اور اگر میں بھیجتا تو شاید تیری زین کا تسمہ نہ ٹوٹتا اور آج تو زندہ ہوتا۔“

یہ کہہ کر اس نے کمرے کے دروازہ کو مقفل کر دیا اور کہنے لگا کہ ”آج کے بعد سے یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔“ پھر اس نے اپنے آنسوؤں کو پونچھا، اپنے دل کو تسلی دی اور باغ کو جھانک کر دیکھنے لگا، اسکی نگاہ پانی کے اُس حوض پر پڑی جو وسط صحن میں تھا اور دل ہی دل میں کہنے لگا: ”یہ وہی حوض ہے جس میں عنقریب ہم رنگ برنگ کی مچھلیاں پالیں گے اور اس کے چاروں طرف وہی جنگل ہے جس کے لگانے کا ہمارا ارادہ تھا، تاکہ ہمارے بچے حوض میں گرنے سے محفوظ رہیں اور یہ ہفتہ کے وہی بھول ہیں جسے ماجدولین سب پھولوں سے زیادہ پسند کرتی ہے، ماجدولین کو کیا خبر کہ اسکے لئے کیا کیا سامان مسرت مہیا ہو چکے ہیں، ایک مدت سے میرے اس خط و کتابت نہ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے وہ آجکل کے انتہائی یاس کی حالت میں زندگی گزار رہی ہو۔ لیکن میں بہت جلد اسے یہ خوش خبری سناؤں گا کہ بختی اور بد نصیبی کا

زمانہ ختم ہوا اور ہم اپنے تلخ ماضی کو اب اس طرح یاد کریں گے جس طرح ہم اپنے بچپن کے رونے کو یاد کیا کرتے ہیں۔
اس کے بعد وہ نیچے اتر آیا اور اپنے دوست فرترز کے ساتھ باغ میں ٹہلنے لگا، درختوں کی ترتیب اور روشوں
کی درستی میں جو لوگ مصروف تھے ان کو ہدایتیں دیتا رہا اور باغ کے پودوں اور پھولوں کے درمیان ایسا خوش خوش
گھومتا رہا، گویا اس نے اپنی عمر میں بدبختی کا ذائقہ کبھی چکھا ہی نہ تھا۔

مارا ستین

آج سے پہلے اسٹیفن کبھی اس قابل نہیں ہوا تھا کہ کسی کو کوئی حکم دیے یا کسی کام سے کسی کو روک سکے اسکے
پاس نہ رہنے کو گھر تھا، نہ ٹہلنے کو باغ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، جب اس تاریخ اور ڈراؤنی رات
کے بعد جو اس نے اپنے رشتہ دار کے گھر گزاری تھی، وہ جو تیج واپس ہوا تو بالکل خالی ہاتھ تھا، یہاں تک کہ اس کی تمنائیں
تک اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں، چنانچہ چند روز تک وہ بستر عیالات پر پڑا رہا، اور ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھاتا رہا۔
لیکن جب طبیعت ذرا سنبھلی تو اس کا دل مختلف خیالات و افکار کا جولا نگاہ بنا ہوا تھا، کبھی وہ خود کشی کا ارادہ کرتا
لیکن پھر اس خیال سے کہ وہ ماجد ولین سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے گا اور پھر کبھی اسے نہیں دیکھ سکے گا وہ رک
جاتا، کبھی سوچتا کہ اپنے اعزہ و اقرباء میں واپس چلا جائے اور ان کی مرضی اور خواہش کے آگے اپنا سر جھکا دے لیکن جب
پھر اسے ماجد ولین کا خیال آجاتا، تو بھاگ کر کسی دوسری جگہ چلا جانا چاہتا۔ لیکن پھر اس ڈر سے کہ کہیں اس کی جدائی
کا غم ماجد ولین کو نصیب دشمنانِ ہلاک کر دے وہ رک جاتا۔

وہ دیر تک انھیں خیالات و افکار میں سرگرداں رہا، کبھی کچھ سوچتا کبھی کچھ، آخر اس نے اپنے دل میں ماجد ولین
کے نام ایک خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ایک مدت سے اسے کوئی خط لکھا بھی نہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے تمام واقعات
و حالات سے مطلع کر دے کہ اب وہ اسے اسکے مخلص و فاداری سے آزاد کرنا چاہتا ہے، اور اس پر سے عہد و میثاق
کی تمام پابندیاں اٹھالینے کا خواہشمند ہے۔

وہ یہ خط لکھ ہی رہا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں گاؤں کے رجسٹرار کا ایک خط تھا اس خط میں
لکھا ہوا تھا کہ: ”تمہارا فلاں رشتہ دار جو فوت ہو چکا ہے، اپنے وصیت نامہ میں تمہارے نام بیس ہزار فرانک کی رقم
لکھ گیا ہے جو تمہیں اسی وقت مل سکتی ہے، اس کے علاوہ دس ہزار فرانک تمہیں ہر سال کے اختتام پر ملا کریں گے۔“
اسٹیفن یہ پڑھ کر خوشی سے مبہوت ہو گیا اور جب حواس ٹھکانے ہوئے تو اس نے وہ خط جو ماجد ولین کے نام
لکھنا شروع کیا تھا پھاڑ ڈالا۔ اس کے بعد وہ اپنے دوست ”فرترز“ کو ساتھ لیکر کسی ایسے چھوٹے سے گھر کی تلاش
میں نکلا جو دریا کے جو تیج کے کنارے ہو۔ اور اُسی شکل و صورت کا ہو جس کی تمنا اس نے اور ماجد ولین نے اس رات

کی تھی جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہو کر اپنے مستقبل اور آرزؤں کے ہوائی قلعے تعمیر کر رہے تھے۔

خوش قسمتی سے اُسے ایک ایسا گھر مل گیا، جو بالکل اس کی خواہش کے مطابق تھا، چنانچہ اس نے اسے خرید لیا اور اپنی خواہش کے مطابق اس کو درست کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اسے فرنیچر سے آراستہ کیا اور باغ میں مختلف قسم کے درخت لگوائے۔

وہ انھیں انتظامات میں مصروف تھا کہ اس نے ایک دن ایک فوجی اخبار میں اپنے بھائی کے مرنے کی خبر پڑھی جسے پڑھ کر وہ بہت رو یا لیکن نئی خوشیوں میں وہ اس غم کو جلد بھول گیا اور ولفاخ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا تاکہ جلد سے جلد وہ یہ خوشخبری ماجدولین کو سنائے اور اس کے والد کو پیام نکاح دیکر اسے اپنے ہمراہ لیتا ہوا جو بیچ واپس ہو اور اس نئے گھر کو دکھلائے جو اس نے اسکے لئے بنوایا ہے۔

چنانچہ ایک روز صبح کو وہ اپنی گاڑی پر سوار ہو کر ولفاخ کے لئے روانہ ہو گیا اس حال میں کہ خوشی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ جب وہ گاؤں کے قریب پہونچا تو اس نے گاڑی کو وہیں چھوڑ دیا اور سائیس سے کہہ دیا کہ اس کی واپسی کا انتظار کرے اور پیدل چلے دیا۔ وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور ان مقامات کو دیکھتا جاتا تھا جہاں اس نے اپنی محبت کے ابتدائی دن گزارے تھے، اور جن کی فضا سے اُلفت کی پہلی کرن اسکے قلب پر چکی تھی۔

اس نے ان مرغزاروں کو دیکھا جہاں وہ چاندنی راتوں میں تنہا پھر اکرتا تھا اور دل ہی دل میں تمنائوں کی نقاشی کیا کرتا تھا، وہ اُس دریا سے بھی گزرا جس سے دو سال پہلے اس نے ایک ڈوبتے ہوئے شخص کو نکالا تھا پھر وہ اس چھوٹے سے سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو گیا جہاں وہ اور ماجدولین شام کے وقت اکثر تفریح کے لئے جایا کرتے تھے اور گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے۔

اب وہ شیخ مولر کے گھر کے قریب پہونچ چکا تھا۔ اور زین فون کے درختوں کی بلندیاں جن کے سائے میں وہ اور ماجدولین اکثر بیٹھا کرتے تھے اُسی طرح دکھائی دے رہی تھیں جس طرح گزشتہ زمانے میں نظر آیا کرتی تھیں اور اُن کے پتوں کی جھرمٹ میں اُسے اپنا وہ بالائی کمرہ بھی نظر آ رہا تھا جس میں وہ رہا کرتا تھا۔

الغرض پچھلے دنوں کی یاد جو اس نے یہاں گزارے تھے ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں تازہ ہو گئی۔ وہی صبح وہی شام، وہی دن وہی راتیں سب اس کی آنکھوں میں پھر نہ لگیں۔ رنج و غم، امید و نومیدی، بیماری و تندرستی، تنگدستی و فراخی، غرض ہر وہ چیز جو اس پر گزری تھی اس کے سامنے آ گئی، یہاں تک کہ اسے خیال ہونے لگا کہ شاید وہ اب بھی اسی گھر میں مقیم ہے اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ اپنے کسی کام سے باہر نکلا گیا تھا اور اب واپس ہو رہا ہے۔

وہ اسی قسم کے خیالات و تصورات میں الجھا رہا تھا کہ اُس کے دروازہ کے قریب پہونچ گیا اور کھڑے ہو کر

سوچنے لگا: ”یہ وہی دروازہ ہے جہاں سے کل میں دھتکارا گیا تھا، آج میں دروازے میں اس امن و اطمینان سے داخل ہو رہا ہوں، گویا وہ میرا ہی گھر ہے، اب نہ مجھے کسی رقیب کا ڈر ہے اور نہ کسی کے دیکھ لینے کا خیال، نہ مجھے زمانہ کی آفتوں کی پروا ہے، اور نہ اس کی مصیبتوں سے بچنے کی فکر۔“

اس کے بعد وہ باغ میں داخل ہو گیا، اور اس کے پودوں، راستوں اور روشوں کو دیکھ کر کہنے لگا: ”دیکھو یہ غریب دیوار کا شگاف ابھی تک اسی حالت میں ہے، اور یہ سیاہ پتھر دیوار کے نیچے بالکل اسی طرح پڑا ہوا ہے جس طرح میرے زمانہ میں تھا۔ اور دیکھو درختوں کی بالائی شاخوں پر پرندوں کے وہی گھونسلے ہیں، اور چڑیاں اب بھی اسی طرح آ جا رہی ہیں جس طرح میرے سامنے آتی جاتی تھیں۔“

پھر وہ اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف مڑ گیا اور کہنے لگا: ”یہ وہی تنہ ہے جس پر میں نے اور ماجدولین نے اپنے اپنے نام کھودے تھے۔“ پھر وہ ذرا اور آگے بڑھا اور اسے دیکھا کہ نام ابھی تک اسی طرح کھدے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، وہ اس درخت کے سامنے جھک گیا، اور اپنے ہونٹ اس کے قریب لیجا کر اسے چوم لیا۔

اس اثنا میں ہواؤں کا ایک لطیف جھونکا، باغ کے پھولوں کی لطیف خوشبوؤں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے اس کے چہرے کو چھوتا ہوا نکل گیا، اور ان خوشبوؤں سے مہکا گیا، جن سے وہ ماجدولین کے ساتھ لطف اٹھایا کرتا تھا۔ وہ اسی طرح دیکھتا بھالتا اور تاثرات میں غوطے کھاتا ہوا اس راستہ پر پہنچ گیا جو اسے اُس بچے تک لیجا تا تھا جس پر وہ اور ماجدولین زیر فون کے سایہ میں بیٹھا کرتے تھے۔ اب چونکہ وہ جگہ یہاں سے صرف چند قدم رہ گئی تھی، اس لئے اس کے تاثرات زیادہ تیز ہونے لگے اور اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ ماجدولین اس وقت بھی یہیں پر بیٹھی ہوئی رو رہی ہوگی اور اس کے خطا کے نہ آنے کا اسے سخت ملال ہوگا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اچانک اس خبر کو سنکر اسکے دل کی حرکت بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ دل ہی دل میں اس خبر کے سنانے کے مختلف طریقوں پر غور کرتا رہا تھا کہ یکایک اس نے ایک ذرا اپنے سر کو گھما کر دیکھا تو اسے اسی بچے کا کنارہ دکھلائی دیا اور اس پر ایک سفید ریشمی کپڑے کا دامن پڑا ہوا نظر آیا وہ اسے دیکھ کر مسرت و خوشی سے اچھل پڑا اور بولا دیکھو میرا خیال کتنا صحیح نکلا وہ جہاں بیٹھی ہوئی ہے۔

پھر وہ مڑا اور جوں ہی اس کی نظر نیچے پر پڑی اس کا چہرہ حق ہو گیا، رگوں میں خون کی روانی رُک گئی اور تنفس کی آواز شدید بند ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ ماجدولین کسی اجنبی نوجوان کے پیلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں، نوجوان اپنے ہاتھ میں اسکا ہاتھ لئے ہوئے اور اس کے سینہ پر اپنا سر رکھے ہوئے اس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔

وہ اپنے دل میں کہنے لگا: ”یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ کیا ہے؟ یہ تو یقیناً ماجدولین ہے۔ پھر یہ اس کے برابر کون بیٹھا ہے؟ کہیں یہ میرا دوست ایڈورڈ تو نہیں! ہاں بیشک وہی ہے، لیکن یہ اس گاول میں کیوں ہے؟ اس گھر سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اور پھر اس کے پاس اس بیباکانہ انداز سے بیٹھنا کیا معنی رکھتا ہے!“

اس نے اپنے دل کو مضبوطی سے تھام لیا، وہ پہلو سے نکلا جا رہا تھا اور وہ اُسے پکڑ رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں آہستہ آہستہ آگے بڑھا، اور ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر گھبرا گئے اور کھڑے ہو گئے، لیکن پھر فوراً ہی اُن کی یہ کیفیت دور ہو گئی۔ ایڈورڈ اپنی مونچھوں سے کھینچنے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا، گویا وہ کوئی منجم ہے اور کسی نئے ستارہ کی تلاش میں آسمانوں کا بغور مطالعہ کر رہا ہے اور ماجدولین نے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں اور ایک گہرا سکوت اس پر طاری ہو گیا۔

اسٹیفن کچھ دیر متحیر و مبہوت کھڑا ہوا ان دونوں کو دیکھتا رہا اور پھر وہ ماجدولین کی طرف بڑھا اور ایسی کیفیت کے ساتھ گویا کچھ اُس نے دیکھا تھا سب بھول چکا ہے وہ نہایت کشادہ پیشانی اور خندہ رونی سے بولا:

”اے ماجدولین، ہماری مصیبت کے دن ختم ہو گئے، اور خدا کا شکر ہے کہ میں اب بالدار ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس نہایت دولت ہے، لیکن جس قدر ہماری خوش حالی اور خوش نصیبی کے لئے ضروری ہے اتنی مجھے مل گئی ہے اب میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اپنا وعدہ پورا کر دوں، اور تمہارے والد سے ملکر نکاح کی تاریخ کا تعین کر دوں، اور پھر تمہیں اپنے ہمراہ لیکر جتنے جاؤں اور وہ گھر دکھلاؤں جو میں نے تمہارے لئے خریدا ہے۔ جب تم اسے دیکھو گی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ گھر بالکل ویسا ہی ہے، جیسا تم چاہتی تھیں۔“

ماجدولین یہ سن کر لرز گئی، اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، اور بہت ہی ہست و کمزور آواز میں کہنے لگی، گویا وہ خود اپنے آپ سے کچھ کہ رہی ہے۔ ”جناب! میں آپ کو آپ کی اس خوش بختی پر مبارکباد دیتی ہوں۔“

اسٹیفن کو یہ سن کر سخت تعجب ہوا، اس کے ہوش اڑ گئے اور اپنے دل میں سمجھنے لگا: ”یا ابھی یہ میں کیا سن رہا ہوں وہ مجھے میری خوش نصیبی پر مبارکباد دیر ہی ہے۔ گویا اس کے خیال میں میرا حال اس کے حال سے کوئی جہاں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اور آج اس طرح وہ مجھ سے کیوں مل رہی ہے؟۔ پھر اپنی جیب سے اس نے نکاح کی انگوٹھی نکالی اور ایک قدم اس کی طرف اور بڑھا، لیکن جوں ہی اس کی نگاہ اس کی انگلی پر پڑی، اس کا بڑھا ہوا قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اس کے ہاتھ میں ایک نئی انگوٹھی دیکھی۔ اب اس کا اضطراب بڑھنے لگا، اُس کے دل کی دھڑکن تیز تر ہو گئی اور حسرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا دل بھر آیا اور روتے ہوئے اپنے ہاتھ کو ماجدولین کی طرف بڑھا کہنے لگا:۔

”کیوں ماجدولین، کیا تم مجھ سے بات نہ کرو گی۔“ یہ سن کر ماجدولین نے اپنا سر اٹھایا اور اس کی طرف اس انداز سے

دیکھنے لگی گویا وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے سر کو جھکا لیا۔

ٹھیک اس وقت ایڈورڈ آگے بڑھا اور اسٹیفن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا: ”اے اسٹیفن، بس کرو تم تو اسے ہلاک کئے دیتے ہو۔“

اسٹیفن چونک پڑا، گویا کہ اب تک اس نے اسے دیکھا ہی نہ تھا اور نیچے سے اوپر تک اسے دیکھنے لگا اور بولا:۔
”اے ایڈورڈ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ تم مجھے یہاں اس جگہ ملو گے۔“

اس نے کہا: ”تمہیں امید ہو یا نہ ہو لیکن تمہارے لئے ضروری تھا کہ یہاں آنے سے قبل اجازت لے لیتے، تمہیں یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ملاقات کے اس ابتدائی اصول کو بھی بھول جاؤ جو بچوں کو پہلے دن مدرسہ میں دیا جاتا ہے۔“
اسٹیفن یہ سن کر بری طرح کانپنے لگا، اس کی پیشانی پھکی پڑنے لگی، جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے سراسر چہرے تک پھیل گئی، وہ اولے کی طرح سرد ہو گیا، اور اس کے دونوں ہاتھ نیچے اترنے والے پرندے کی بازوؤں کی طرح سست پڑ کر لٹک گئے، پیروں کی طاقت سلب ہو گئی، اور اپنے اندر انتہائی کمزوری محسوس کرنے لگا، اور ذرا پیچھے ہٹ کر ایک درخت کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔

اس نے ایڈورڈ کو ان آنکھوں سے دیکھا جن سے خون ٹپک رہا تھا اور اس سے وہی الفاظ کہے جو ”جولیس سیزر“ نے اس وقت کہے تھے جب اس کے ایک مخلص دوست نے پیچھے سے اسکی پیٹھ میں نیزہ مارا تھا کہ ”ہائے تو نے ہی اے بروٹس۔“
یہ کہہ کر وہ ایک منٹ کے لئے چپ ہو گیا اور جب پھر اس کی سانس لوٹ کر آئی تو وہ مابدولین کی طرف متوجہ ہوا اور آہستہ آہستہ رُک رُک کر اس طرح جیسے اس کا نظام تنفس بگڑ گیا ہو، کہنے لگا:۔ ”اے مابدولین کیا جو کچھ یہ شخص کہہ رہا ہے صحیح ہے؟ اور کیا اس کی طرح تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ میں بغیر پوچھے یہاں آنے میں غلطی کی ہے؟ اور کیا یہ ٹھیک ہے کہ یہ شخص تمہارے نزدیک یہ حیثیت رکھتا ہے کہ تمہاری طرف سے مجھ سے باز پرس کرنے کا حقدار ہو۔“

وہ اس قدر کہنے پا رہا تھا کہ ایڈورڈ ان دونوں کے بیچ میں آ گیا اور مابدولین کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا: ”آؤ اب یہاں سے چلیں، بہت دیر بیٹھے رہے، اب طبیعت کچھ پریشانی ہو رہی ہے۔“

مابدولین نے بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیریا، اور خاموش سر جھکائے ہوئے اس کے ساتھ ہوئی، وہ لمحہ لمحہ اُس سے دور ہوتے گئے یہاں تک کہ نگاہوں سے غائب ہو گئے، اور اسٹیفن نے سنا کہ انھوں نے اندر پہنچ کر کواڑ بند کر لئے لیکن وہ برابر اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس میں وہ دونوں ابھی داخل ہوئے تھے، نہ اس کے جسم کو جنبش ہوئی نہ نگاہوں نے حرکت کی، اور نہ رگوں میں کوئی غیر معمولی تڑپ پیدا ہوئی، کوئی ایک گھنٹہ تک وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر خود بخود کہنے لگا:۔ ”ایڈورڈ مجھ سے اس طرح خطاب کرتا ہے، گویا اس گھر میں اس کا مرتبہ میرے مرتبے سے بہت

بند ہے، اور یقیناً خود ماجدولین ہی نے اُسے یہ رتبہ بخشا ہوگا، جہی تو وہ بلا چون دچرا اُس کے ساتھ چلی گئی اور جاتے وقت میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور پھر اسے گئے ہوئے بھی ایک گھنٹہ گزر گیا اور لوٹ کر خبر نہ لی کہ اُس کے چلے جانے کے بعد کسی پر کیا گزری۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھ سے اس قدر کیوں پریم ہے اور ایڈورڈ کے ساتھ اس کے تعلقات کی کیا نوعیت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ انگوٹھی جو اُس کی انگلی میں ہے منگنی کی انگوٹھی ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ماجدولین نے مجھ سے بیوفائی کی۔ لیکن نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی، وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ میرے لئے ہے، میں اُسے اپنے خون، اپنے آنسوؤں اور اپنی تمام مصیبتوں کے بدلے خریدتا ہوں اور میں نے اس کے لئے وہ وہ تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں، جن کا تحمل انسانی طاقت سے باہر ہے۔ میں فالتے کرتے کرتے مرنے کے قریب ہو گیا۔ منگنی سے دن میں باہر نکلنے کے قابل نہیں رہا، ٹھنڈی برفیلی راتوں میں گزر گیا ہوں پر سویا، رات کی تاریکیوں میں گھوڑے پر پڑے ہوئے نوالے اور چھوڑی ہوئی بڑی کو اپنی جان بچانے کے لئے میں نے ڈھونڈا، قمیص پر اس قدر پیوند لگا دے کہ قمیص قمیص نہ رہی بلکہ تمام تر پیوند ہو گئی، بلکہ اس کے راستے میں کچھ اس سے بڑھ کر بھی کیا۔ یعنی اپنے بھائی کو قتل کیا اور جس شخص نے نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی مجھ پر احسان کیا، اس کی شکل و صورت میں نے بگاڑ دی، میں نے اپنے دل میں اس کی دولت کو چرانے کی سرگوشیاں کیں، بلکہ اس کی طرف اپنا ہاتھ تک بڑھا دیا اور اس طرح مجرموں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔

الغرض میں نے کیا نہیں کیا، تو کیا اب وہ اپنے آپ کو مجھ سے علیحدہ کر لے گی، نہیں، میں اس کے لئے ہوں، اور وہ میرے لئے۔ اس کا نام میرے نام کے ساتھ کھدا ہوا ہے اور یہ اُسی کے سر کے بال تو ہیں، جن کی انگوٹھی بنا کر میں دو سال سے پہنے ہوئے ہوں، اور یہ زمین و آسمان، یہ سورج اور چاند، یہ دریا اور طوفان، یہ بہرہ اور درخت، یہ پھول اور پرند سب ہماری محبت پر گواہ ہیں، ہماری تمناؤں اور آرزوؤں سے واقف ہیں، اور ہماری وفاداری کی قسموں پر شاہد!“

اس کے بعد اس نے ایک بڑی لمبی آہ کھینچی اور کہنے لگا: ”کوئی ہے جو میری نصف زندگی صرف اس قیمت پر خریدے کہ مجھے اُس حقیقت سے آگاہ کر دے، جس سے میں ناواقف ہوں، کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس وقت میں ان دونوں کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا جب وہ میرے پاس سے بھاگ کر جا رہے تھے اور ہرگز اس وقت تک نہ جانے دیتا جب تک کہ وہ حقیقت کا اعتراف نہ کر لیتے، اور اسرار کے ان پردوں کو چاک نہ کر دیتے جو انھوں نے اپنے چہروں پر ڈال رکھے ہیں۔“

اس کے بعد وہ ہمت کر کے آگے بڑھا اور باغ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ اس طرح جا رہا تھا جیسے کسی مخمور شرابی کے قدم ڈگمگا رہے ہوں، وہ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ پیچھے سے کسی کے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ اس نے مڑ کر دیکھا کہ ایڈورڈ باغ کے دروازے سے ایک سُرخ گھوڑے پر سوار نکل رہا ہے، اسے دیکھ کر اسٹیفن ایک ٹیلہ کے پیچھے چھپ گیا اور جوں ہی وہ اس کے قریب سے نکلا، جھپٹ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

ایڈورڈ اسے دیکھ کر گھبرا گیا، لیکن ہمت و ضبط سے کام لیکر بولا: ”اے اسٹیفن تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے کہا: ”میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آتے جاتے ہو؟ اور اس گھر سے تمہارا کیا واسطہ ہے؟“

ایڈورڈ کہنے لگا: ”میں تمہارے اس سوال کا اس وقت تک جواب نہیں دے سکتا جب تک کہ تم میرے گھوڑے کی لگام پکڑے رہو گے۔ پہلے اسے چھوڑ دو اس کے بعد دریافت کرو۔“

اسٹیفن نے لگام چھوڑ دی اور گھوڑے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

ایڈورڈ کہنے لگا: ”اگر تمہارے علاوہ کوئی اور شخص مجھ سے یہ سوال کرتا تو اُسے میں یہی جواب دیتا کہ میں بالکل آزاد ہوں اور اپنے معاملات میں خود مختار جس طرح چاہتا ہوں کرتا ہوں، جس کے گھر چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ لیکن اس دوستی کے خیال سے جو میرے تمہارے درمیان ہے میں تمہیں ایک مختصر سا جواب دے دیتا ہوں۔ نوسنو! میں شیخ موٹر کے یہاں اس لئے آتا جاتا ہوں کہ میں اُس کی بیٹی کا منگیترا ہوں اور ایک مہینہ کے بعد میری شادی اس کے ساتھ ہونے والی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو تم بھی ہماری شادی میں شریک ہو سکتے ہو۔“

یہ سنکر اسٹیفن کے دونوں ہونٹ کا پھٹنے لگے اور اسے یہ معلوم ہوا گویا موت آہستہ آہستہ اس پر طاری ہو رہی ہے اور نہایت کمزور و پست آواز میں اُس کے منہ سے نکلا: ”کیا تمہاری مراد ماجدولین سے ہے؟“ اس نے کہا: ”ہاں، اس کے علاوہ موٹر کی اور کونسی بیٹی ہے؟“

اسٹیفن نے ذرا دیر کے لئے اپنا سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر بولا: ”اے ایڈورڈ تمہیں معلوم ہے کہ میں اُس لڑکی سے محبت کرتا ہوں، وہ میری زندگی ہے اور اسے میرے ہاتھوں سے چھین لینا میری زندگی کو ختم کر دینا ہے پھر کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ایک دوست، اپنے بچپن کے رفیق کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔“

وہ کہنے لگا: ”ہاں مجھے معلوم ہے کہ تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو، اور تم نے اپنی زندگی کے پچھلے دنوں میں اسکی دلجوئی بھی کی ہے اور اگر اس کا باپ درمیان میں نہ آگیا ہوتا تو وہ وقت قریب تمہاکہ وہ اس جال میں پھنس جاتی جو تم نے اس کے لئے بچھایا تھا۔“

اسٹیفن بیچ میں بول اُٹھا: ”مگر تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا جو میں نے تم سے پوچھا تھا۔“

ایڈورڈ نے کہا: ”کون سا سوال؟“ اس نے کہا: ”یہی کہ تم میرے بھائی، میرے دوست اور میرے بچپن کے رفیق ہو کر مجھے کیوں اس بیدردی سے قتل کئے دیتے ہو۔“

اس نے کہا: ”نہیں میں تمہیں قتل نہیں کرتا، بلکہ زندہ رکھنا چاہتا ہوں، مینے اس طرز عمل سے تمہیں اپنی حالت پر غور کرنے کا ایک موقعہ دیا ہے، اگر تم اپنے معاملہ میں ذرا سا بھی غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس پریشان اور پرانندہ زندگی بسر کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اور جس مالدار لڑکی سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں،

اس سے شادی کرلو، جو کچھ مینے کیا اس میں سراسر تمھاری ہی فلاح و بہبود ہے۔“

اس سے قبل کہ ایڈورڈ کا جملہ پورا ہو، اسٹیفن کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور غیظ و غضب کی وہ بجلیاں جو ابھی تک سکون کے بادلوں میں پوشیدہ تھیں چمکنے لگیں۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑا اور اُس کا گریبان پکڑ کر اس سختی سے جھجھکا کہ قریب تھا کہ اسے گھوڑے کی پیٹھ سے گرا دے اور کہنے لگا: ”بد معاش! مجھے اب معلوم ہوا کہ تم نے اس مسکین لڑکی کو کس کس طرح دھوکہ دیا ہے۔ تمھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا دل میری محبت سے لبریز ہے اور میری خوشنودی کے علاوہ اُس کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہے، تنے اس کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ وہی میرے اس فقر و مسکنت کا سبب ہے، اور مجھے میری زندگی میں کوئی راحت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک وہ اپنے دامن کو میرے ہاتھ سے نہ چھڑا لے، اور محبت کے اس دشتے کو جو میرے اور اس کے درمیان قائم ہے منقطع نہ کر لے۔ یہاں تک کہ اس نے تم لوگوں کی باتوں کو سچ سمجھ لیا، وہ تمھارے سامنے جھک گئی اور جو کچھ تم اُس سے کہتے گئے وہ کرتی گئی، صرف میرے خیال اور میری محبت میں اور اس طرح تم اس قابل ہو گئے کہ اُس کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اسے اپنی طرف مایل کر لو، ورنہ تمھیں نہ اس سے محبت ہے اور نہ مجھ سے، کیونکہ تم جیسے انسان کے لئے یہ تقریباً ناممکن ہے کہ اس کی باطنی خوبیوں اور اس کی شرافت و پاکیزگی کو سمجھ سکے تم بس اسی قدر سمجھ سکتے ہو کہ وہ ایک حسین و جمیل لڑکی ہے، جو اپنے حسن و جمال میں ان نوجوانوں اور خوبصورت لڑکیوں سے کسی طرح کم نہیں جنھیں تم نے اکثر دھوکہ دیا ہے اور جن کے عشرت کدوں میں اپنی اکثر راتیں تم نے گزاری ہیں اور پھر فوراً ہی انھیں چھوڑ دیا اور وہ اپنی زندگی اور آرزوؤں پر ماتم کرتی رہ گئیں، اور اگر تم اس لڑکی سے بھی وہی سلوک کر سکتے جو دوسری لڑکیوں سے کیا ہے اور اس سے بھی اسی طرح مستفید ہو سکتے جس طرح اور بہت سی لڑکیوں سے ہوئے ہوا تو تم یہ بھی کر گزرتے، اور شادی کی ان الجھنوں اور کھپیڑوں میں اپنے آپ کو نہ ڈالتے۔“

ایڈورڈ کہنے لگا: ”اگر ان باتوں سے تمھارا یہ مقصد ہے کہ وہ میرے ساتھ شادی کر نہ پر مجبور کی گئی ہے یا اسے کسی قسم کا فریب دیا گیا ہے، تو یہ تمھاری غلطی اور بدگمانی ہے کیونکہ اب وہ اپنے ماضی کو بھول چکی ہے اور اب اس کے سامنے اس کے منگیتری کی محبت اور خلوص کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور اب تو اس کی بھی آرزو ہے کہ جلد سے جلد اپنے آپ کے اس کے پہلو میں خوش و خرم دیکھے۔“

اسٹیفن غصے سے بھڑک اُٹھا، اور کہنے لگا: ”تو جھوٹ بولتا ہے وہ تیرے اس خیال سے بہت بلند ہے۔“ یہ کہہ کر اس پر ٹوٹ پڑا، لیکن ایڈورڈ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے روکا اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا: ”اے اسٹیفن کیا تم مجھے قتل کر دینا چاہتے ہو۔“

اسٹیفن سُن کر سچے ہٹ گیا، اس کے ہاتھ سست پڑ گئے اور اس پرانی دوستی کا خیال جو ان دونوں میں رہ چکی تھی پھر سے تازہ ہو گیا۔ اور اس کی طرف ان آنکھوں سے دیکھنے لگا جن میں آنسو جھلک رہے تھے اور کہنے لگا: ”نہیں اے ایڈورڈ“

میں تمہیں کیسے قتل کر سکتا ہوں تم میرے دوست ہو اور مجھے اپنی زندگی میں تمہاری خاطر خون کے چند قطرے دینے کا موقع ملا ہے، میں اپنے اس فعل پر کبھی سرمنہ نہیں ہو سکتا اور نہ اپنے اس ہاتھ کو کبھی واپس لے سکتا ہوں جو صرف خدا کے لئے مینے تمہاری طرف بڑھایا تھا۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنے سر کو اس کے گھوڑے کی زین پر رکھ دیا اور اپنے دونوں ہاتھوں میں ایڈورڈ کا ہاتھ لیکر اپنے آنسوؤں سے بھگونے لگا اور بولا:۔ ”اے ایڈورڈ، میں تمہیں اس ہستی کا واسطہ نہیں دلاتا ہوں، جس کے سینے سے ہم دونوں نے اپنے زمانہ طفولیت میں ایک ساتھ دودھ پیا تھا اور جس کی آغوش محبت میں ہم نے ایک دو نہیں پورے پانچ سال کا دل یکدلی اور محبت کے ساتھ اس طرح گزارے کہ تم نے میرے اور مینے تمہارے بغیر کبھی کسی چیز سے دلچسپی نہیں لی۔ تمہیں اس قسم کا واسطہ دلاتا ہوں، جو تم نے اس رات کو مجھ سے کھائی تھی، جب تم جوتیج سے رخصت ہو رہے تھے اور تینہ وعدہ کیا تھا کہ تمہارا سینہ اس وقت تک ٹھنڈا نہیں ہو سکتا اور تمہارے دل کی دھڑکن اس وقت تک کم نہیں ہو سکتی جب تک کہ تم مجھے میری زندگی میں بامراد اور کامگار نہیں دیکھ لو گے، میں تمہیں تمہاری رحمت و شفقت کا واسطہ دلاتا ہوں اور تمہارے فضل و کرم کے نام پر تمہیں پکارتا ہوں، کہ تم ایک صاحب کرم انسان ہو، اور میں محتاج و مسکین، اور ایک فقیر و محتاج کی زندگی تا مگر صاحب کرم کی دست نگر ہوتی ہے۔“

ایڈورڈ نے مطلق کوئی پروا نہ کی، اور اس دردناک گفتگو کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا، اس نے اپنے گھوڑے کو ایک ایڑ لگائی اور نکل گیا۔ تھوڑی دور تک تو اسٹیفن اس کے پیچھے بھاگا لیکن نہ پاسکا آخر تھک کر گر پڑا اور کہنے لگا: ”وہ جو کچھ کہ رہا ہے ضرور صحیح ہوگا۔“

وہ اسی طرح پڑا رہا یہاں تک کہ کوئی راگیر گزرا، اور چونکہ اس نے اسے آتے وقت دیکھ لیا تھا اس لئے پہچان گیا اور اس کے سائیس کو جا کر خبر کی، وہ بھاگا ہوا آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی پر سوار کرایا اور اسے لیکر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسٹیفن جب اپنے کمرے میں پہنچا اور اُسے تنہائی اور یکسوئی نصیب ہوئی تو وہ پاگلوں کی طرح چیخنے، چلانے اور کمرے کے در و دیوار سے سر پھوڑنے لگا۔ وہ برا بھلا بھی کہہ رہا تھا: ”آہ اے ماجدولین، میں نے تجھے کھو دیا۔“

اسٹیفن کے خطوط

اے ماجدولین، کیا یہ صحیح ہے کہ میرے اور تمہارے تعلقات ختم ہو گئے، اور ہم ایک دوسرے سے ناواقف اور انجان ہو گئے اور کیا یہ سچ ہے کہ اگر آج کے بعد ہم تم کہیں کسی راستے میں مل جائیں گے، تو ہم میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے منہ پھیر کر نکل جائے گا۔

آہ، یہ گردش لیل و نہار بھی کیا چیز ہے؟ کہ ایک ہی دن میں تمام وہ امیدیں ٹوٹ گئیں، جو مدتوں میں ہم نے استوار

کی تھیں اور جن کے لئے ہم نے بیشمار آنسو بہائے تھے؟۔ سچ ہے، قیامت بھی اسی طرح آئے گی، زلزلے بھی اسی طرح آئیں گے اور ستارے بھی اسی طرح ٹوٹیں گے۔

اے ماجد ولین، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور تم نے مجھے اس کا کیا بدلہ دیا۔ میں نے تم سے اس قدر محبت کی کہ مجھ سے پہلے کبھی کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی، اور میں نے تمہاری پرستش کی اور اپنی زندگی کو تمہارے ہی خیال سے معمور رکھا، میں جب دیکھا تو تمہاری طرف دیکھا اور جب خیال کیا تو تمہارا ہی خیال کیا۔ میں نکلتے ہوئے سو رہے کو دیکھ کر اس لئے خوش ہوتا تھا کہ اس میں تمہاری تصویر تھی۔ شاخ گل پر چھپاتے ہوئے پرندوں کو اس لئے شوق سے سنتا تھا کہ ان میں تمہاری آواز تھی، ہنستے ہوئے پھولوں کو اس لئے دیکھتا تھا کہ اس کا رنگ تمہارے رنگ سے ملتا جلتا تھا اور اگر اس دنیا میں زندہ رہنے کی تمنا کی تو صرف تمہارے ساتھ رہنے اور تمہاری لذت دیدار سے شاد کام ہونے کے لئے۔

اگر تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں، اور اس کا مستحق نہیں کہ تمہارے دل کی گنجائشوں میں اپنے لئے کوئی جگہ نکال سکوں، تو اس محبت ہی سے محبت کر لو جو تمہاری میرے دل میں ہے اور اس عقیدت ہی کو پسند کر لو جو مجھے تمہارے ساتھ ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں تمہارے لئے جن جن مصائب و آلام کو برداشت کیا ہے، جن جن تکلیفوں اور فتنوں کو سہا ہے، دل کو خون اور خون کو پانی کی طرح بہایا ہے، اس کا بدلہ وہی دید و جو تمہارے شایان شان ہے۔ بہت ممکن ہے تمہیں اس دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی مل جائے جو اپنے حسن و جمال اور جاہ و ثروت سے تمہیں موہ لے لیکن خوب سمجھ لو کہ وہ شخص نہیں مل سکتا جو تم سے میری طرح محبت کر سکے۔

اے ماجد ولین، ان لوگوں نے تجھے دھوکہ دیا ہے اور مال و دولت کی خواہش اور حرص و ہوس کی تمنا کو تیرے سامنے بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ انھوں نے تجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ زندگی نام ہے کھانے پینے کا عالیشان محلول میں رہنے اور عمدہ لباس پہننے کا، قیمتی ہاروں اور خوبصورت آویزوں کا۔

ان لوگوں کے خیال میں نکاح ایک ایسی مالی شرکت ہے، جس میں میاں بیوی، مال و دولت جمع کرنے اور اس کے انبا لگانے کے لئے کوئی عہد کرتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ ایسا نکاح حقیقت میں ایک قسم کی بدکاری ہے اور جو عورت بھی کسی مرد سے اس کی دولت کے لئے شادی کرتی ہے، وہ حقیقتاً شادی نہیں کرتی، بلکہ اپنے جسم کو اس کے ہاتھ فروخت کرتی ہے جس طرح کوئی بدکار عورت چند سکوتوں کے بدلے اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے کر دیتی ہے۔ بلکہ اس کا حال اس سے بھی زیادہ زہوں اور اس کا مقصد اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے، کیونکہ وہ اپنے نفس کو اس لئے نہیں بیچتی کہ کوئی لقمہ اسکی خمیدہ لمر کو سیدھا کر سکے یا کپڑے کا کوئی ٹکڑا اس کے برہنہ جسم کو ڈھک سکے، بلکہ اس لئے کہ اسے ایک قیمتی ہار مل جائے جسکو پہن کر وہ اپنے سینے کو اور زیادہ خوبصورت بنائے یا اسے کوئی عمدہ لباس حاصل ہو جائے جس سے وہ اپنے ہمنوں پر فخر کر سکے یا اسے رہنے کو کوئی خوبصورت محل مل جائے جس کی وسعتوں میں وہ مختلف قسم اور رنگ رنگ لذتوں سے مستفید ہوتی رہے۔

اے ماجدولین، جس چیز نے تمہیں میری آنکھوں میں گراں قدر بنایا اور مجھے تمہاری پرستش پر مجبور کر دیا وہ یہی خیال تھا کہ ان تمام عورتوں میں تم ہی وہ عورت ہو جو اپنے پہلو میں ایک ایسا دل رکھتی ہے جو بہت ہی پاک و صاف ہے اور اس سے پاکیزہ محبت کے وہ چشمے اُبلتے ہیں جو دنیاوی اغراض سے خالی ہیں، تو کیا میرا یہ خیال غلط تھا؟ نہیں! نہیں! میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس وہی دل ہے اور اسی لئے میں اب بھی روتا ہوں۔

تم ایڈورڈ کے متعلق کچھ نہیں جانتیں، اور مجھے اسکی حالت کا پورا پورا علم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے پہلو میں تمہارا جیسا دل نہیں ہے اور تمہارے شعور و جہان میں شریک ہونے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتا ہے کہ تم حسین ہو، اور محبت کرنے کے قابل ہو مگر خوبصورتی ختم ہو جانے والی چیز ہے اور نفسانی خواہشات زوال پذیر۔ مجھے ڈر ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد تمہیں اس کے ہاتھوں اس پر سختی اور مصیبت کا منہ نہ دیکھنا پڑے جس سے بھاگ کر تم اس کے پاس جانا چاہتی ہو۔ اور اگر ایسا ہوا تو مجھ سے زیادہ بد قسمت اور بد نصیب اور کون ہوگا، کیونکہ بہر حال میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم جہاں بھی ہو تمہارے لئے دعا کرتا رہتا ہوں۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا، اے ماجدولین کہ کیا آج بھی میری آواز تمہارے دل کی گہرائیوں میں اسی طرح پہنچ رہی ہے جس طرح آج سے قبل پہنچا کرتی تھی اور کیا پہلے کی طرح آج بھی تم یہ تصور کر سکتی ہو کہ میں اپنی زندگی سے بڑھ کر تم سے محبت کرتا ہوں۔

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

اب مجھے شاید ہی کسی چیز پر رحم آتا ہو۔

دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہے اور کائنات ایک ویران وحشت کدہ! میری زندگی معلوم ہوتا ہو، گویا ایک مسلسل رات جس کی صبح شاید کبھی نہ ہوگی، لوگ اپنی اپنی خوابگاہوں میں محو خواب ہیں، اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا میں دنیا سے بہت دور کسی بے آب و گیاہ صحرا میں پڑا ہوا ہوں۔ جہاں نہ دریا بہتے ہیں نہ پرندے چہچہاتے ہیں، نہ کسی انسان کا گزر ہے نہ کسی حیوان کا، میں رات و دن اس صحرا میں حیراں و سرگرداں پھر رہا ہوں، چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل جاؤں لیکن نہیں نکل سکتا۔

اے ماجدولین، تمہیں بتاؤ کب مجھے موت آئے گی؟ اور کب میرا وقت پورا ہوگا کہ زندگی کے ان مصائبِ آلام سے چھوٹ جاؤں؟

اے ماجدولین، تم سے چھٹ کر میں کسی طرح صبر پر قادر نہیں ہوں، کیونکہ تمہیں اس دنیا میں میرے لئے سب کچھ ہوا، میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنی تمام دولت جوئے میں ہار دی ہو، اور اب حساس بیماری کے علاوہ اس کے پاس کچھ بچہ

آہ۔ میرے دل میں کیا کیا تمنائیں تھیں، کیسی کیسی آرزوئیں تھیں، میرا سینہ کن کن ارادوں سے معمور تھا میں اپنے اندر وہ قوت محسوس کرتا تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی مجھے بے حقیقت نظر آتی تھی، لیکن آج میں کس قدر کمزور، کتنا افسردہ، مجروح، مایوس اور ناامید ہو گیا ہوں کہ نہ کچھ سوچ سکتا ہوں اور نہ سمجھ سکتا ہوں، گویا ایک پتھر ہوں جو راہ میں صرف ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اے ماجدولین، کیا تم اس دن سے نہیں ڈرہیں، جب خدائے تم سے پوچھیں گے کہ تم نے ایک بیگناہ انسان کو کیوں قتل کیا اور جب میری آواز (تم جہاں بھی ہو) تمہارا پیچھا کرے گی، تمہاری خلوتوں اور جلو توں میں، سوتے جاگتے ہیں، تمہارے شوہر کے آغوش اور تمہارے بچوں کے گہواروں میں۔

اے ماجدولین، کیا تم نے مجھ سے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ تم بھی میری اسی طرح پاسبانی کرو گی جس طرح فرشتے انسان کی حفاظت کیا کرتے ہیں، اب کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ بد نصیب ہوں، تمہارے وعدہ تمام وعدے کیا ہوئے؟ ذرا تو میرے پاس آؤ، اور کچھ دیر تو میرے پاس ٹھیرو، تاکہ میں تمہیں نگاہ بھر کر دیکھ سکوں، اور تمہاری عرق آلود پیشانی میں اپنی لٹی ہوئی تمنائوں کی تصویر اور برباد شدہ امیدوں کا عکس دیکھ سکوں، آؤ اور مجھے اپنی وہ شیریں آواز سنا دو جو اس سے پہلے سنایا کرتی تھیں، اور اپنی اُن محبت بھری نگاہوں میں سے صرف ایک نگاہ مجھے دیکھ لو جن سے تم مجھے حیات تازہ بخشا کرتی تھیں اور جھوٹ یا سچ بس اس قدر کہہ دو کہ تم مجھ سے اب بھی محبت کرتی ہو، بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ اے ماجدولین، سچ کہتا ہوں کہ اگر کبھی میں تمہیں اپنے راستے میں دیکھ لوں تو تمہاری طرف دوڑ پڑوں اور تمہارے قدموں پر اپنا سر رکھ کر بھکاری کی طرح تم سے تمہاری محبت کی بھیک مانگوں، اور اگر تم مجھے دیکھ کر منہ پھیر لو تو تمہارے پیچھے پیچھے پھروں، جب تک کہ تم میری طرف متوجہ نہ ہو جاؤ اور میرا درد دل نہ سُن لو۔

اے ماجدولین، میں سخت تکلیف میں ہوں، اور میرا خیال ہے کہ جو دکھ درد میں برداشت کر رہا ہوں وہ اس دنیا میں کوئی نہیں اٹھا سکتا، خدا کے لئے ماجدولین، مجھ پر رحم کرو، اور اگر تم مجھے اپنی محبت کے قابل نہیں سمجھتی ہو تو مجھے اپنا دوست سمجھو، یہ بھی اگر منظور نہ ہو تو پھر مجھے اجازت دو کہ تم جہاں بھی جاؤ میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں، جس طرح تمہارا کتا ہر جگہ تمہارے ساتھ رہتا ہے، تاکہ میں تمہیں ہر وقت دیکھتا رہوں، تمہاری آواز کو سنتا رہوں، کیونکہ میں اس دنیا میں تم سے جدا رہ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اسٹیشن کا خط ماجدولین کے نام

خدا میری غربت و بیچارگی پر رحم کرے، میری زندگی کا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا، جرأت و بہت کی جو آگ میرے دل میں روشن تھی، قوت و طاقت کی جو حرارت میری رگ و پے میں ساری تھی وہ ٹھنڈی ہو گئی اور میرے اور دوسرے

تمام لوگوں کے درمیان جو چیز مشترک تھی وہ ختم ہو گئی، میرا بھائی دنیا سے رخصت ہوا، میرے والد نے مجھے گھر سے نکالا، میرے خاندان والوں نے مجھ سے دشمنی کی، اب اس عالم آب و گل میں تمہارے علاوہ میرے لئے اور کیا تھا، پر افسوس تم نے بھی میرا ساتھ نہ دیا، پھر اب کس امید پر جیوں، اور کس تمنا پر زندہ رہوں۔

اے ماجدولین، تم جانتی ہو کہ میں اپنی موت پر زندگی کو کیوں ترجیح دے رہا ہوں حالانکہ مر جانا میرے لئے ان آفتوں کے اٹھانے سے کہیں زیادہ آسان ہے؟ صرف اس لئے کہ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا اور مجھے ڈر ہے کہ اگر ایسا ہوا تو مجھ سے ان گزشتہ ہوئے خوبصورت دنوں کی یاد جن میں تمہاری اُلفت سے شاد کام رہا ہوں، چھن جائے گی۔ حالانکہ میرا حاصل زندگی اور سرمایہ زیست یہی ہے۔

اے ماجدولین، تم نے میری زندگی کی ہر سعادت مجھ سے چھین لی اور پھر اس کے جواب میں مجھے ایسی کوئی چیز بھی نہ دی، جو میری زندگی کا سہارا بنتی، بلکہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا، جس طرح کوئی بیدرد مسافر اپنے زخمی اور پیاسے رفیق سفر کو پتے ہوئے ریگستان میں جہاں نہ سایہ ہو نہ پانی، چھوڑ کر چلا جائے۔

اے ماجدولین، آخر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ زمین کے ذخیروں میں سے وہ کونسا ذخیرہ ہے، اور آسمان کے خزانوں میں وہ کونسا خزانہ ہے، جو تم مجھ سے چاہتی ہو۔ کیا سنگ مرمر کا کوئی سفید محل چاہتی ہو، یا جواہر تابدار سے بھرا ہوا کوئی حوض مانگتی ہو یا قیمتی موتیوں سے مرصع فرش کی خواہش ہے، یا سورج کی شعاعوں سے بنے ہوئے کسی زرتار لباس کی تمنا ہے یا کسی ایسے جڑے ہوئے تاج کی آرزو ہے جس کے سامنے بادشاہوں کے تاج ماند پڑ جائیں؟ تمہیں یہ سب کچھ مل سکتا ہے۔ بس اتنا کرو کہ میرے دل کو وہ امید واپس کر دو جسے تم نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ پھر تم دیکھو گی کہ میری ایک جنبش نگاہ سے کسی طرح قسمتیں بدلتی ہیں اور زمین و آسمان میری قوت و جبروت کے آگے کس طرح سر بسجود ہیں۔

آہ! کس قدر بے اندازہ تھی اس روز میری خوشی و مسرت، جس روز جو تینچ میں ایک مختصر سا گھر بنے تمہارے لئے طیار کرایا اور اس کے ایک نیلگوں کمرے میں تمہارے لئے ایک سفید مسہری کچھوائی، میں نے ایک خوبصورت باغ بھی طیار کرایا اور ہر وہ پھولدار درخت نصب کیا جسے تم پسند کرتی ہو، پھر جب کبھی میں اس گھر کے اندر آتا اور تھوڑی دیر کے لئے اسکے صحن میں کھڑا ہوتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں تمہارے ساتھ اس گھر میں رہ رہا ہوں اور تمہاری شیریں آواز اس کی فضا میں گونج رہی ہے، اور گھر کے باغ میں ہمارے بچے سامنے کھیل رہے ہیں اور پیڑوں میں سے پھول توڑ توڑ کر ہمارے لئے لا رہے ہیں اور یہی نہیں بلکہ اگر کبھی میں تمہارے سنگار کے کمرے میں چلا جاتا، تو مجھے ایسا معلوم ہوتا گویا کہ تم اپنے آئینہ کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنے خوبصورت اور سنہرے بالوں میں لکھی کر رہی ہو اور میں تمہارے پیچھے کھڑا ہوا تمہارے سنہرے اور چمکدار بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے انھیں پیار کر رہا ہوں، لیکن آج اس گھر کی افسردگی و میرانی دیکھو باغ پانی سے محروم ہے، پیڑ خشک ہیں اور پھول سوکھے پڑے ہیں، دروازوں اور کھڑکیوں کو ہواؤں نے درہم و برہم کر رکھا ہے

کردوں کی چھتوں اور فرشوں پر خاک نے ایک تہ بچھا دی ہے اور اس کی حالت اُس دُھن کی سی ہے جسے شادی کی پہلی ہی رات موت آگئی ہو۔

تم تو ایسی ہو گئیں کہ مجھے ایک حرف بھی نہیں لکھتیں، اور نہ میرے کسی خط کا جواب دیتی ہو، آج سے پہلے تو تمہاری یہ عادت نہ تھی، کاش تم مجھے ایک جملہ ہی لکھ دیتیں، اور اچھا یا بُرا جو دل میں آتا کہتیں، اب تو میں اپنے دل کو ہر آفت کے لئے طیار اور ہر مصیبت کے لئے ہموار کر چکا ہوں۔

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

تم نے مجھے وہ دو حرف بھی نہ لکھے، حالانکہ میں نے کس قدر خوشامد کی تھی، کیا تمہارا ماحول تمہیں اس زمانہ کی یاد نہیں دلاتا جو کسی وقت میں نے تمہارے ساتھ گزارا تھا، تمہارے سامنے وہی سورج ہے جسے ہم دونوں صبح کو نکلتے اور شام کو چھپتے ہوئے دیکھتے تھے اور وہیں وہ چاند بھی ہے جو آسمان کی بلندیوں سے ہمیں جھانکا کرتا تھا اور ہم دونوں کا اپنی سفید چاندنی کی چادر میں چھپا لیا کرتا تھا۔ اور وہاں وہی جگہ بھی ہے جہاں پانی اور سائے کے درمیان ہم بیٹھا کرتے تھے۔ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں، تمہارا سر میرے سینہ پر ہوتا تھا اور وہیں وہ چھوٹا سا سمندر بھی ہے جس کے کنارے ہم دونوں روز شام کے وقت ٹہلا کرتے تھے، اور اگرچہ ہماری زبانیں خاموش رہا کرتی تھیں، لیکن ہماری آنکھیں ہمارے دل کی ترجمانی کیا کرتی تھیں اور پھر لوٹتے وقت ہم یہ تمنا لے ہوئے واپس ہوا کرتے تھے کہ کاش ہمیں اپنے بہاؤ میں کسی ایسی بستی تک پہنچا جہاں سے ہم پھر کبھی جدا نہ ہو سکیں اور وہیں وہ کرا بھی ہے جس میں جدائی کی رات ہم ایک دوسرے سے ملے تھے، اور ہم نے رور کو اپنی آنسوؤں سے اس کی زمین کو تر کر دیا تھا اور جس کی چھت کے نیچے ہم نے قسم کھائی تھی کہ جب مکہ نہ رہیں ایک دوسرے سے بد عہدی نہیں کریں گے۔

اے ماجدولین، میں تمہیں دل میں سیکڑوں مرتبہ رور کو اور چیخ چیخ کر پکارتا ہوں، لیکن میری آواز تمہارے کانوں تک نہیں پہنچتی اور تمہیں میرے حال پر ذرا رحم نہیں آتا۔

اگر تم اپنی زندگی میں کسی ایسی عورت کو دیکھو جو اپنے شوہر کی قبر پر دوزانو بیٹھی ہوئی ماتم کر رہی ہو، اور انتہائی حسرت یا اس سے رور رہی ہو، کیونکہ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور اس سے عین عالم شباب میں چند چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر جدا ہو گیا تھا اور اسے روتا دیکھ کر تم بھی رونے لگو۔

یا تمہیں راستہ میں کوئی غریب لڑکی نظر پڑے جو ماری ماری پھر رہی ہو، روتی جاتی ہو اور ہر آنے والے سے اپنے چھوٹے بیمار بھائی کی دوا کے لئے، جس کا اس دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہے، بھیک کے چند پیسے مانگنے کے لئے پنا کا پنتا ہوا ہاتھ پھیلا رہی ہو، اور تم رحم کھا کر اسے اپنے پاس ٹھکانا دیدو اور اس کی خواہش کو پورا کر دو۔

یا کبھی کسی دریا پر تمھارا گزر ہو اور تم اس کے کنارے ایک عورت کو چپختے ہوئے دیکھو جو رو رو کر لوگوں کو اپنے اُس اکلوتے بچے کی مدد کے لئے بلا رہی ہو جو اس کی آنکھوں کے سامنے دریا میں ڈوبا جا رہا ہے، لیکن بچانے والا کوئی نہ ہو یہاں تک کہ وہ ڈوب جائے اور ڈوب کر پھر نہ ابھرے۔ یہ دیکھ کر وہ پاگل ہو جائے اور اس بخود ہی میں وہ بھی دریا میں کود پڑے اور تم اس کی اس مصیبت پر رو دو۔

یا تم اس غریب بوڑھے کا قصہ سنو، جو اپنی قریب الموت بیوی اور بیمار لڑکی کے سرہانے دوزانو بیٹھا ہوا ہو، اور پولس کا سپاہی اُسے گرفتار کرنے کے لئے اسکے گھر میں گھس آئے ہوں، کیونکہ اس نے گزشتہ رات اُن دونوں کی جانکشی کی تکلیف سے مجبور ہو کر ان کے لئے ایک روٹی چرائی تھی اور ہر خندہ ان سپاہیوں سے التجا کرے کہ اسے ایک گھنٹہ کی مہلت دیدیں تاکہ اسے اپنی بیمار بیوی کے متعلق خدا کے آخری فیصلے کا علم ہو سکے! لیکن وہ سخت دل انکار کر دیں۔

یا تم اس شخص کے واقعہ کو سنو جو کسی بے آب و گیاہ صحرائے راستہ بھول گیا ہو پیاس کی شدت برابر بڑھ رہی ہو، اور وہ ہر طرف پانی کی تلاش میں حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ لیکن پانی کہیں نہ ملے، یہاں تک کہ وہ تھک کر گر پڑے اور چلنے سے رہ جائے۔ پھر اُسے کہیں دور سے پانی کی چمکتی ہوئی سفید چادر دکھائی دے اور وہ بیتاب ہو کر گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا اور اپنے بہتے ہوئے خون سے میدان کی کنکریوں کو رنگتا ہوا اس کی طرف بڑھے، اور جوں ہی اس کے قریب پہنچے اور اس کے پانی کے درمیان ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہ رہے تو وہ پیاس کی شدت سے جان دیدے۔

یا تم اُس عورت کے قصہ کو پڑھو، جسے لوگوں نے کسی قحط کے زمانہ میں اپنی جھونپڑی کے آگے بیٹھے ہوئے دیکھا ہو، اسکی گود میں گوشت کا ایک سُرخ ٹکڑا ہو اور اس کے سامنے چولھے پر چڑھی ہوئی ہانڈی سے دھواں نکل رہا ہو، لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچیں تو یہ دیکھ کر ڈر جائیں کہ اس کے ہاتھ میں خون آلود چھری بھی ہے اور دو چھوٹے چھوٹے پاؤں ہانڈی سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ اُس وقت انھیں معلوم ہو کہ فاقوں نے اسے پاگل بنا دیا ہے، اور گوشت کا سُرخ ٹکڑا جو اس کی گود میں ہے، حقیقتاً اس کے بچے کا گوشت ہے، جسے اُس نے ذبح کر کے چھری سے اُس کا جوڑ جوڑا لگ کر دیا اور اب وہ اسے اپنے کھانے کے لئے پکا رہی ہے۔

اگر تم نے ان مصیبت زدوں کے حالات کبھی سنے ہوں، اگر قید خانوں میں بیگناہوں کی آہ و زاری نے تمھارے کانوں کے پردوں کو کبھی ٹکرایا ہو، یا ہسپتالوں میں بیماروں کی چیخ و پکار نے تمھارے دل کو کبھی ہلایا ہو، تو اسے ماجد ولین یقین کرو کہ میں اُن سب سے زیادہ بد نصیب اور اُن سب سے زیادہ تمھاری رحمت و شفقت کا محتاج ہوں۔

میرے صبر و تحمل کا پیمانہ اب بھر چکا ہے، اور اب اس سے زیادہ ضبط کی طاقت مجھ میں نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ اسکے بعد میں تمھیں کوئی خط بھی نہ لکھ سکوں، کیونکہ ناتوانی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، اور آنکھوں سے حیرگی کے باعث دیکھنا بھی دشوار ہے اسلئے اسے ماجد ولین رخصت، زندگی بھر کے لئے رخصت اگر زندگی ابھی کچھ اور باقی ہو اور اگر نہیں تو ابھی سے ہمیشہ کیلئے رخصت

ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام

میرے آقا، میں نہیں کہہ سکتی کہ تمہارے خط پڑھ پڑھ کر میں کس قدر روئی ہوں، لیکن ہر مرتبہ مینے اپنے دل کو یہی کہہ کر تسلی دی کہ یہ بھی یاس و نومیدی کی وہ سسکیاں ہیں جنہیں زمانہ اسی طرح بند کر دے گا جس طرح اس سے پہلے یاس و محرومی کی بہت سی سسکیوں کو ختم کر چکا ہے۔

اور غالباً تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ جو کچھ بھی ہوا اُس میں تمہاری ہی بھلائی مقصود تھی اور تمہارے لئے ایک ایسی زندگی کی بنیاد ہے جو اس زندگی سے کہیں زیادہ مبارک ثابت ہوگی۔

اے اسٹیفن تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں ایک غریب لڑکی ہوں، اور خود تمہارے پاس بھی اتنی دولت نہیں جو ایک شوہر اور ایک باپ کے لئے کافی ہو سکے۔ اس لئے ہمارے اور تمہارے لئے بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے لئے وہی راستہ اختیار کرے جس کے متعلق اُسے یقین ہو کہ وہ اُسے فلاح و بہبود کی منزل تک پہنچا سکے گا۔ خواہ ہم اسے پسند کریں یا نہ کریں، اے میرے دوست تم پچھلی باتوں کو بھول جاؤ، اور کوہِ بلاتس جا کر اپنے والد اور دیگر اعزہ سے مصالحت کر لو اور جس لڑکی کو وہ تمہارے لئے پسند کر چکے ہیں، اُسی سے اب نکاح کر لو، اور میری طرف سے اطمینان رکھو کہ جب تک زندہ ہوں تمہاری وفادار دوست رہوں گی اور اپنے دوست ایڈورڈ کی طرف سے بھی تم اپنے دل میں کوئی نفرت یا عداوت نہ رکھنا، کیونکہ خدا گواہ ہے اُس کا ان باتوں میں ہاتھ نہ تھا بلکہ یہ سب میری اپنی صوابدید تھی اور اپنے ضمیر و عقل کے علاوہ اس مسئلہ میں مینے کسی دوسرے سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ اس لئے اگر تم مواخذہ کرنا ہی چاہو تو صرف میں لائقِ تعزیر و دار و گیر ہوں۔

اسٹیفن کا خط ماجدولین کے نام

اے ماجدولین، تم تو ہر چیز کو بھول گئیں، خیر اب اپنی زندگی کے لئے جو مناسب سمجھو وہ پسند کرو، تمہارے خطوط تمہیں واپس کر رہا ہوں، کیونکہ اب ان کا میرے پاس رہنا کچھ مناسب نہیں ہے۔ میں تمہاری اس دوستی کا بھی اُسی وسعتِ قلب کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں جس وسعتِ قلب کے ساتھ میں اس سے پہلے تمہاری محبت کو قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنے دل میں تمہارے یا تمہارے منگیتر کی طرف سے کوئی وجہ نفرت کی نہیں پاتا۔ بلکہ تم دونوں کے لئے سعادت و بہبود کا خدا سے طالب ہوں۔

شادی

تصنّف و لفاخ کا اگر با آج مردوں اور عورتوں سے کچھ کچھ بھرا ہوا ہے اور لوگ بڑی مسرت و شوق سے دولہا دلہن

کے انتظار میں دروازے کو تک رہے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد گاڑیوں کے آنے کی آوازیں آنے لگیں، اور سب لوگ استقبال کے لئے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے ایڈورڈ، ماجدولین کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے گرجا میں داخل ہوا۔

ماجدولین، نہایت سفید لباس پہنے ہوئے تھی، اس کے سر پر پھولوں کا ایک تاج تھا، جو اُس کے خوبصورت اور سنہرے بالوں میں بڑی خوبصورتی سے چمک رہا تھا۔ اُن دونوں کے پیچھے شیخ موٹر، سوزان، اس کا شوہر اور ماجدولین کا چچا زاد بھائی ارشید اور سوزان کا چچا زاد بھائی البرٹ اور دوسرے اعزہ یکے بعد دیگرے داخل ہوئے۔

اس کے بعد دولہا دلہن قربانگاہ کی طرف بڑھے اور پادری کے سامنے جھک گئے، انھیں دیکھ کر اور لوگ بھی جھک گئے اور اسٹیفن بھی جو ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی گرجا آگیا تھا، زیر لب آہستہ آہستہ یہ دعا مانگ رہا تھا کہ:-

”اے خدا، تو اپنی نگاہ لطف و کرم سے اس کی حفاظت کر، اور اُسے اپنے دامن حمایت میں لے لے، زندگی کی تمام خوشیاں تو اسے بخش دے، اور جو کچھ میں اپنی زندگی کے لئے تجھ سے طلب کیا کرتا تھا، وہ سب کچھ تو اس کی کتاب زندگی میں لکھ دے۔“

اس کے بعد پادری نے جب نکاح کا خطبہ شروع کیا تو اسٹیفن کو ایسا محسوس ہوا گویا اس کا دل بڑے زور زور سے دھڑک رہا ہے اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دل کو تھام لیا، نگاہیں نیچی کر لیں اور پھر اس پر سیاہ پوشی طاری ہو گئی، ایک گھنٹہ کے بعد اُسے ہوش آیا تو دیکھا کہ گرجا خالی پڑا ہے، تاریکی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے اور رات کی ٹھنڈی ہوائیں روشن دانوں اور کھڑکیوں سے چلی آرہی ہیں، اس نے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا:- ”جو ہونا تھا وہ ہو چکا، ماجدولین میرے ہاتھ سے نکل گئی، پس اب میں کیا کروں؟ کیونکر زندہ رہوں؟ اور زندگی کے باقی دن کہاں گزاروں؟ اب اس دنیا میں میرے لئے کیا ہے جس کے لئے زندگی کی خواہش کروں؟“ اس کے بعد وہ باہر آیا اور جدھر کو بھی منہ اٹھا روانہ ہو گیا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جا رہا ہے۔

ناگاہ اس کا گزر شیخ موٹر کے گھر کے سامنے سے ہوا اور اس نے دیکھا کہ مہمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں، چنانچہ وہ وہیں اندھیرے میں باغ کی دیوار کے کنارے بیٹھ گیا۔ اور جب قدموں کی آہٹ ختم ہو گئی اور گھر مہانوں سے خالی معلوم ہونے لگا تو وہ آگے بڑھا۔

اس نے دیکھا کہ ایک کمرے کے علاوہ باقی تمام کمروں کی روشنیاں گل ہو گئیں، وہ سمجھ گیا کہ دلہن کا کمرہ یہی ہے اور ایک بچہ ہوئے شیر کی طرح باغ کی دیوار کے چاروں طرف گھومنے لگا، اُسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کیوں گھوم رہا ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے۔ اسی آمد و شد میں اُس نے ایک جگہ باغ کی دیوار میں ایک بڑا شکاف دیکھا، اور اندر داخل ہو گیا وہ آہستہ آہستہ مکان کی طرف بڑھا اور اس کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا، جس سے روشنی چھن چھن کر نکل رہی تھی، وہ دروازے کے

قریب پہنچ کر رک گیا، اندر سے بولنے کی آوازیں اس کے کانوں میں آرہی تھیں، اس کا تمام جسم کاپٹنے اور تھر تھرانے لگا اور اُسے ایسا معلوم ہوا گویا وہ کسی ایسے گڑھے میں اُتر رہا ہے جس کی گہرائی انتہا ہے۔

اس کے بعد اس نے دروازے کے سوراخوں سے جھانکنے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ دیکھ سکا، پھر ان پر اپنا کان کھکھک سننے لگا اور ماجدولین کے یہ جملے اس کے کانوں میں آئے ”تم تو میری زندگی ہو، اور تمہارے بغیر میرا جینا دشوار ہے۔“

یہ سن کر وہ دیوانہ ہو گیا اور انتہائی غیظ و غضب میں وہ اپنے سینہ کو اپنے ناخنوں سے نوچنے لگا۔ خون بہہ کر اس کی قمیص میں جذب ہو رہا تھا، اور جلد کے ٹکڑے اس کی انگلیوں پر چپک رہے تھے، لیکن اسے نہ احساس درد تھا نہ شعور تکلیف، اسے یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ اس نے کیا کیا اور کیا ہوا، آخر وہ تھک گیا اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اور زینہ سے نیچے گر پڑا۔

وہ رات بھر اسی طرح بیہوش پڑا رہا، صبح کو اس سے قبل کہ گھر کا کوئی شخص بیدار ہو جنسیات کی آنکھ کھلی تو اُسے دیکھا کہ اسٹیفن سیرٹھیوں کے نیچے بیہوش پڑا ہوا ہے۔ وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گئی، پھر اس کی نگاہ اس کے خون آلود کپڑوں اور ناخنوں پر پڑی، سمجھی کہ اسے کسی نے قتل کیا ہے، چنانچہ اسے چننے کا ارادہ کیا، لیکن اس کی آواز نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ اس کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے اس کے قریب گئی تو دیکھا کہ تنفس کی آمد و شد باقی ہے، اس نے اس کی پیشانی پر پانی چھڑکا اور زخموں کو دھونے لگی، یہاں تک کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس نے جنسیات کو اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھا اور شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پوچھنے لگا: ”کیا اسے اُس حال میں اس کے علاوہ کسی اور نے بھی دیکھا ہے؟“ کہنے لگی ”نہیں“ تب اس نے چند لفظوں میں اپنا سارا قصہ بیان کیا اور اس سے عہد لیکر کہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرے گی، وہ بدقت اُٹھا اور افتاں و خیزاں اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہزیان

فرز کی بیوی جوزفائن جو اسٹیفن کی تیمارداری پر مقرر کی گئی تھی، طبیب سے کہنے لگی: ”مجھے ڈر ہے کہ میں یہ پاگل نہ ہو جائے، میں دیکھتی ہوں کہ اس کی زبان سے سوائے ماجدولین کے نام کے کوئی دوسرا لفظ نکلتا ہی نہیں، ہر وقت اس کے متعلق پوچھتا رہتا ہے اور سوتے جاگتے اُسی کو دیکھتا رہتا ہے، کبھی وہ اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھتا ہے، تو خوش ہو جاتا ہے اور مسکرا دیتا ہے اور کبھی وہ اپنے پاس سے جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو رونے لگتا ہے، اور اسے روکنے اور کپڑے کے لئے پلنگ پر سے اُٹھ بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ اس عورت کی ملاقات کے علاوہ کوئی دوسری صورت اس بیماری سے نجات پانے کی نہیں۔“

طبیب یہ سن کر کہنے لگا: ”ہاں، آج میں ولفاخ گیا تھا اور بغیر کسی سابقہ تعارف کے ماجدولین سے ملکر مریض کی

حالت بیان کی اور اس سے درخواست کی کہ صرف ایک مرتبہ جا کر اسے دیکھ لے، ممکن ہے اسے کوئی فائدہ پہنچ جائے، پہلے تو اس کے شوہر نے اس کی سختی سے مخالفت کی، لیکن اخیر میں وہ بڑی مشکل سے اس شرط پر راضی ہوا کہ ماجدولین تنہا نہ جائے گا بلکہ وہ خود بھی اسکے ہمراہ آئے گا۔

اتنے میں کسی نے آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹایا، اور دروازہ کھلتے ہی ماجدولین اور اس کے پیچھے پیچھے ایڈورڈ اندر داخل ہوئے، لیکن اسٹیفن کو ان میں سے کسی کے آنے کی کوئی خبر نہیں ہوئی، تھوڑی دیر بعد اس نے خود ہی آنکھیں کھولیں اور جوزفائن کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:۔ ”میرے وہ کپڑے کہاں ہیں جن کے لانے کے لئے میں تم سے کہا تھا! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج اتوار ہے اور مجھے اپنی شادی کے سلسلہ میں کلیسا جانا ضروری ہے۔“

یہ سنکر جوزفائن نے سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔ اور ماجدولین نے بھی اس ڈر سے کہ کوئی اس کے چہرے کی زردی کو نہ دیکھ لے اپنا منہ پھیر لیا۔

اس کے بعد طبیب ماجدولین کی طرف بڑھا اور کہنے لگا:۔ ”اب آپ ذرا اس کے قریب تشریف لے آئیں اور اسکا نام لیکر بلائیں شاید وہ آپ کو پہچان لے۔“ چنانچہ وہ اس کے پلنگ کے قریب آکر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اسٹیفن نے ایک کھوئی ہوئی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور اپنا منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سمجھ گئی کہ پہچانا نہیں، چنانچہ اسنے اس کا نام لیکر زیادہ نرم و شیریں آواز سے پکارا، چنانچہ ادراک و شعور کی خوابیدہ قوتیں دفعتاً بیدار ہو گئیں، اور بجلی کی ایک زبردست موج اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے کروٹ بدلی آنکھیں کھولیں اور اپنے ایک ہاتھ کے سہارے سے اٹھ بیٹھا اور اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جمادیں اس کے بعد وہ مسکرایا اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا:۔

”اے ماجدولین میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میرے پاس آنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ میں تو خود ہی تمہارے پاس جانے والا تھا، مگر مجھے منہ آگئی اور سو گیا، اچھا آؤ اور اب میرے ساتھ چلو، کیونکہ وقت بہت تنگ ہے اور میرا خیال ہے کہ ہمارے احباب کلیسا میں بڑی بھینپی سے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ سب لوگ صفت بہ صفت، حسرت و شوق سے ہمارے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، انگلیٹھیوں میں سلگتے ہوئے عود اور اگر کی خوشبوئیں میری ناک میں یہاں تک آرہی ہیں اور ناقوس کے بجنے کی آوازیں مجھے مسلسل سنائی دیرہی ہیں۔“

اس کے بعد اس نے ماجدولین کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور کہنے لگا: ”اے ماجدولین تم کس قدر خوبصورت ہو اور یہ سفید چادر جو تم اوڑھے ہوئے ہو کتنی حسین ہے، بس اس وقت پھولوں کے ایک تاج کی کمی ہے۔“ یہ کہہ کر اسنے اپنے برابر پڑے ہوئے پھولوں کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور ان سے ایک خوبصورت سا تاج بنانے لگا۔ اس کے بعد اسنے طبیب کی طرف دیکھا اور اسے شیخ موثر سمجھ کر کہنے لگا: ”ابا جان مجھے اجازت دیجئے کہ یہ تاج آپ کی صاحبزادی کو پہنا دوں۔“

طیب نے بڑی ہمتیاء نگاہوں سے ماجدولین کی طرف دیکھا اور اسٹیفن نے یہ تاج لیکر اس کے سر پر رکھ دیا۔ وہ بہت کی طرح خاموش کھڑی تھی اور مردے کی طرح زرد پڑ گئی تھی، گویا ابھی ابھی قبر سے باہر نکلی ہے۔

وہ کہنے لگا: ”اے ماجدولین کیا تمہیں یاد ہے کہ اب سے دو سال پہلے منہسی منہسی میں بیٹے کسی وقت ایسا ہی ایک تاج تمہارے سر پر رکھا تھا اور ہم نے اسے اپنے مستقبل کے لئے ایک فال نیک شمار کیا تھا، پس اب تم دیکھو کہ ہمارا خیال کیسا ٹھیک نکلا۔ ہم ان نعمتوں پر خدا کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔“

یہ کہہ کر وہ جوزفائن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ”اس وقت میں اپنے سینے میں نہ معلوم کیوں ایک گھٹسی سی محسوس کر رہا ہوں، تم ذرا اس کھڑکی کو کھول دو تاکہ آج کی لطیف ہوائ میں زور زور سے سانس لے سکوں۔“

اس نے کھڑکی کھول دی اور وہ اپنا سر گھما گھما کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا اور بولا: ”ہوائیں کیسی نرم ہیں، آسمان کتنا خوبصورت اور صاف ہے، اور سورج کس قدر روشن اور پُر نور ہے، ہم فطرت کے ان انعامات کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے، اور میں زمانے کے اس احسان کا جس قدر بھی ممنون ہوں حقوڑا ہے کہ اس نے مجھے میری امیدوں میں اس وقت کامیاب کیا جبکہ میں ان سے تقریباً مایوس اور ناامید ہو چکا تھا۔“

پھر اس کی نگاہ ایڈورڈ پر پڑی وہ اس کی موجودگی سے بہت خوش ہوا اُسے دیکھ کر مسکرایا اور اس سے کہنے لگا: ”میرے دوست میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں، میرا خیال ہے کہ تمہیں نے ماجدولین کو میری ملاقات کے لئے یہاں تک آنے پر ضامن کیا ہوگا، اور اگر تم ایسا نہ کرتے، تو ان کی فطری شرم و حیا سے یہاں تک کبھی نہ آنے دیتی۔ پس تم میری طرف اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور میرے دوستوں میں سب سے پہلے تم ہی مجھے مبارکباد دو۔ کیونکہ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو، کیونکہ ایڈورڈ تمہیں وہ دن یاد ہیں جب ہم تم اس چھوٹے سے کمرے میں جس میں آج ہیں اپنی مصیبت و افلاس کے دن گزارا کرتے تھے اور میں تمہارے سامنے اپنے اور ماجدولین کی محبت کا ذکر کیا کرتا تھا اور جب تم مجھے تسخیر اور استہزا کی نگاہوں سے دیکھتے تو میں تم سے کہتا کہ اس نے مجھ سے قسم کھائی ہے کہ موت کے علاوہ کوئی دوسرا ہاتھ اسے مجھ سے علیحدہ نہیں کر سکتا، اور وہ کبھی بھی اپنے عہد سے نہیں پھر سکتی۔ اب تم خود ہی دیکھ لو کہ میں اپنے تصورات و خیالات میں جھوٹا تو نہ تھا۔“

یہ کہہ کر اس نے ماجدولین کا ہاتھ تھام لیا اور دفعتاً اس انگوٹھی کی شعاعوں میں سے ایک تیز شعاع جو اس کی انگلی میں چمک رہی تھی اُس کی نگاہوں میں کوند گئی۔ وہ بچپن ہو گیا اور اس کی نگاہوں کے سامنے وہ نظارہ آگیا، جب اس نے یہ انگوٹھی پہلی مرتبہ اس کے ہاتھ میں دیکھی تھی اور اسے ایڈورڈ کے برابر کھڑا ہوا پایا تھا۔

اس کا ہاتھ سست پڑ گیا اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور امید کی وہ کرن جو اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی غائب ہو گئی، اس کی پیشانی پسینہ سے تر تھی اور وہ بہت ہی کمزور اور لرزتی ہوئی آواز میں اس طرح کہہ رہا تھا: ”نہیں نہیں مجھے اس کے ہاتھ کو چومنے کا کوئی حق نہیں اب وہ میری نہیں ہے، اور نہ اس کے نزدیک میری کوئی حیثیت ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ اپنی چادر سے ڈھک لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ وہ طبیب سے کہہ رہا تھا: ان سب لوگوں کو میرے پاس سے ہٹا دو کہ اب نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا ان سے۔“

یہ دیکھ کر ماجدولین رونے لگی اور اسی حالت میں اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور چاہتی تھی کہ اس کے پلنگ کے برابر بیٹھ جائے، لیکن ایڈورڈ نے زور سے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

دن ڈوبنے سے پہلے پہلے ایڈورڈ نے دلفاخ کو چھوڑ دیا اور اپنی بیوی کو لیکر کو بلائس چلا گیا۔

ناامیدی

اسٹیفن پورے دو مہینے بیمار رہا اور ان دو مہینوں میں ہر قسم کی جسمانی اور روحانی تکلیف اس نے اُٹھائی، لیکن جوں ہی اس کی حالت ذرا سنبھلی اور اپنے بستر سے اُٹھتا تو رات دن حیراں و سرگرداں پھرنے لگا۔ جہاں کہیں سر ٹکانے کو جگہ مل جاتی پڑ رہتا اور جہاں کوئی نوالہ مل جاتا کھا لیتا، وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئیں، وارڈھی اور سر کے بال بڑھ گئے۔

وہ کبھی اتفاق ہی سے اپنے دوست فرنز کے گھر کی طرف آ جاتا۔ لیکن جب کبھی آنکلتا تو اُس کی بیوی اور بچے سب اُس سے چمٹ جاتے۔ اسے اپنے گھر لیجاتے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر وحشت اس پر مستولی ہو جاتی اور وہاں سے بھاگ نکلتا۔

وہ اسی عالم آوارگی میں اپنے اس چھوٹے سے گھر سے گزرا جو اس نے جو تیج میں بنوایا تھا اور جس میں اپنی برباد رفتہ امیدوں اور تباہ شدہ آرزوؤں کے قلعے اس نے تعمیر کئے تھے، لیکن ہمیشہ منہ پھیر کر گزر جاتا اور بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ وہ دور ہی سے اس کی بلندیوں کا کوئی حصہ دیکھ کر لوٹ گیا کہ کہیں ادھر سے گزرنا اور اسے دیکھنا نہ پڑے۔

اس کی عادت تھی کہ جب کبھی وہ کسی راستہ پر گزرتا تو سیدھا چلا جاتا، نہ رکتا تھا نہ ٹھہرتا تھا، اور نہ دائیں بائیں کسی طرف مڑ کر دیکھتا تھا، جب اس کے سامنے کوئی دیوار آ جاتی یا کوئی دریا اس کا راستہ روک لیتا، یا لوگوں کا مجمع اسے اپنے سامنے نظر آ جاتا تو ہوش میں آتا اور پھر اُلٹے پاؤں واپس ہو جاتا۔

ایک دن صبح کے وقت وہ حسب عادت نکل کھڑا ہوا، اور چلتے چلتے دوپہر کے قریب کو بلائس تک پہنچ گیا اور وہاں کی گلیوں میں گھومنے لگا، لوگ اسے دیکھتے اور اس کی پریشان حالت اور پھٹی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

وہ اسی طرح گھوم رہا تھا کہ اس کے قریب ہی سے ایک گاڑی نکلی اور اس میں سے قہقہہ کی ایک آواز بلند ہوئی۔ یہ آواز اس کے کانوں تک بھی پہنچی اور کچھ کچھ مانوس معلوم ہوئی اس نے مڑ کر دیکھا تو ایڈورڈ اور

ماجدولین تھے یہ دیکھتے ہی وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور جب دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو وہ کوہِ سانس کی حدود سے باہر نکل گیا۔ یہاں پہنچ کر اسے ایک دریا نظر آیا جو ایک سرسبز کھیت کے برابر برابر بہ رہا تھا۔ وہ اس کے کنارے بیٹھ کر سوچنے لگا: ”ہم خودکشی سے صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ زندگی ہمیں پیاری ہے، اور زندگی تمام مصیبتوں اور غموں کے باوجود ہمیں صرف اس لئے پیاری ہے کہ ہم احمق و نادان ہیں۔ ہم ایسی چیز کی خواہش کرتے ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہے۔ ہماری مثال اس جواری کی سی ہے جو جتنا زیادہ ہارتا ہے اسی قدر جتنے کی حرص اور زیادہ بڑھتی جاتی ہے اس لئے اگر ہم اس دنیا میں اپنی خوشی سے نہیں آئے ہیں تو پھر کیوں نہ اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں یہاں سے چلے جائیں۔“ آخر کار خودکشی پر اس کا ارادہ پختہ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اپنی زندگی کو کس طرح ختم کرے۔ خودکشی کی مختلف صورتیں اسکے سامنے تھیں۔ لیکن اس کے شاعرانہ انداز فکر نے اسے ایک نئی شکل کی طرف رہنمائی کی اور وہ یہ تھی کہ وہ ماجدولین کے نام ایک خط لکھے جس میں تفصیل کے ساتھ اپنے رنج و ملال کا ذکر کرے، اور پھر اسے اپنی خودکشی کے ارادے سے آگاہ کرے اور وہ جگہ بھی بتلا دے جہاں سے وہ اپنے آپ کو دریا میں گرائے گا، پھر اگر ماجدولین آئی اور اس نے اسے دریا میں سے نکالا، تو اس پر اس کے اخلاص و وفاداری کا ضرور اثر ہو گا اور اس کی موت پر سخت ماتم کرے گی اور دل ہی دل میں شرمندہ ہوگی، اور جب تک زندہ رہے گی، آنسو بہاتی رہے گی۔

ٹھیک اس وقت اس کے کان میں اس قہقہہ کی آواز آئی جو اس نے تھوڑی دیر پہلے سنا تھا، جبکہ وہ گاڑی میں بیٹھی ہوئی اپنے شوہر کے ہمراہ جا رہی تھی اور اس کی خودداری لوٹ آئی اور وہ اپنے دل سے کہنے لگا، کہ جو شخص اس قدر سخت دل اور بے رحم ہو وہ کب ان چیزوں کی پروا کر سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے پاس میرا خط پہنچے اور وہ اسے نظر انداز کر دے۔ پھر میری موت کی خبر کو سنے اور ایک اطمینان کا سانس لے، اور دل ہی دل میں یہ سمجھ کر خوش ہو کہ چلو اچھا ہوا اس کے افق حیات پر جو سیاہ بادل چھایا ہوا تھا وہ چھٹ گیا۔

اس کے بعد اس نے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا: ”براہو اس نامرادی کا، مجھ پر ہر چیز دشوار ہو گئی ہے حتیٰ کہ مرنا بھی“

سعادت

ایک شام جبکہ اسٹیفن، فرتر کی کشتی میں سوار تھا اور وہ دریا کے بہاؤ پر موجوں کو چیرتی ہوئی بڑی تیزی سے جا رہی تھی، وہ اسٹیفن سے کہنے لگا: ”میرے آقا، اب اپنے پر رحم کیجئے جو ہونا تھا وہ ہو چکا، گزری ہوئی باتوں پر افسوس بیکار ہے اور اگر میں آپ سے کچھ کہہ سکتا تو یہی کہتا کہ آپ کے لئے اس عزت نفس اور خودداری کے مالک ہوتے ہوئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ اپنی پوری زندگی ایک ایسی عورت پر قربان کر دیں جس کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی بہتر سلوک نہیں کر سکتی۔“

میرے آقا، اس عورت نے آپ کی زندگی کی ساری تازگی و شادابی آپ سے چھین لی، اب جو کچھ رہ گیا ہے اسی کو غنیمت سمجھئے اور اس زندگی میں خدا نے جو نعمتیں مہیا کی ہیں ان سے فائدہ اٹھائیے۔

میرے مولا، آپ تو شاعر ہیں، شاعر کا دل آئینہ ہوتا ہے جس میں کائنات کی صورتیں بڑی ہوں یا چھوٹی، ایک ایک کر کے نظر آتی ہیں۔ اگر سعادت باہر سے آپ کے پاس آنے میں بخل کرتی ہے تو آپ اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں تلاش کیجئے کیونکہ آپ کا دل تمام کائنات کی اور جو کچھ اس میں ہے ایک چھوٹی سی تصویر ہے۔

آسمان کس قدر خوبصورت ہے، اور شاعر وہی ہے جو اس کی خوبصورتی کے ناز کو پالے، اور اپنی نگاہوں سے اس کے نیلگوں اور شفاف جسم سے گزر کر اس بلند دنیا کو دیکھ لے جہاں تک نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

سمندر کس قدر مہیب ہے، اور شاعر وہی ہے جو اس کی عظمت و جلال کو محسوس کرے اور ان کے چمکتے ہوئے صفیات پر ان قوموں کی تاریخ کو پڑھ لے جنہیں وہ اپنی موجوں میں لپیٹ چکا ہے اور ان بستیوں کی تصویر کو دیکھ لے جنہیں وہ تروبالا کر چکا ہے اور ان سلطنتوں کے عکس کو پہچان لے، جن کے تختے وہ اُلٹ چکا ہے اور ابھی تک اپنی حالت پر بدستور ہے، نہ بدلتا ہے نہ متغیر ہوتا ہے، اور نہ گردشِ لیل و نہار سے پرانا پڑتا ہے۔

رات بہت وحشت خیز ہے، لیکن شاعر وہی ہے جو اس کی خاموشی و سکون میں روتے ہوئے دلوں کی فریاد۔ درد مندوں کی آہوں اور آسمان کی طرف چڑھتی ہوئی دعاؤں کی آواز طل کو سُن لے،

شاعر کو ہر اس چیز میں جسے وہ دیکھتا یا سنتا ہے ایک حسن نظر آتا ہے، یہاں تک کہ مرجھائے ہوئے پھولوں اور گھاس کی سوکھی ہوئی پتیوں، جھنجھاتی ہوئی شہد کی مکھیوں اور آشفستہ سرپردانوں، چیونٹیوں کی قطاروں، ٹوٹی ہوئی دیواروں اور مٹی ہوئی قبروں، خوفناک سایوں اور خوشگوار خیالوں، سمندر کے کناروں پر پڑے ہوئے مینڈکوں اور پتھر کے دبلیں بیچ و تاب کھاتے ہوئے کیڑوں تک میں وہ اس حسن کو دیکھ لیتا ہے۔

اسٹیفن یسگر تھوڑی دیر تک تو اپنا سر جھکائے بیٹھا رہا اور اسی اثنائیں اس کا دماغ مختلف خیالات کا جولا نگاہ بنارہا پھر سر اٹھا کر بولا: ”اے فرزند جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں اس پر عمل کرنے کی بہت دنوں سے کوشش کرتا رہا ہوں۔ لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔“

اگر ممکن ہوتا تو میں اپنے اس دل کو اپنے ہاتھوں سے مسل دیتا اور پھر اس کی خاک کو گولوں کی نذر کر دیتا، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ میں ایک خاص مدت کے لئے جو میرے لئے مقدر ہو چکی ہے، اس ابتلا میں ڈالا گیا ہوں۔ تاہم میں اس وقت تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے آج کے بعد سے اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے اور نہ اس کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے پاؤ گے۔ عشق و محبت کی جو چنگاریاں میرے دل میں دبی ہوئی ہیں، میں خدا سے یہی دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان پر قدرت و طاقت عطا فرمائے۔“

سکون

محبت ایک ابرکرم ہے اور جب یہ کسی پاک سرزمین پر برستا ہے، تو رحمت و شفقت کا پھل لاتا ہے، لیکن یہی قطرہ جب کسی خجربزمین پر ٹپکتا ہے تو حسد، غضب، شرارت و انتقام کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔

اسٹیفن نیک طینت انسان تھا۔ چنانچہ اسکے مصائب و آلام جو ہر وقت اس کے دل میں ایک تلاطم برپا کئے رہتے تھے پاکیزہ احساسات میں تبدیل ہو گئے۔ وہ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر رونے لگا اور غریبوں کی غربت و احتیاج کا حال سن کر تڑپنے لگا۔

اس نے اپنے دوست فرتز سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا۔ اور ماجدولین کا ذکر کرنا چھوڑ دیا، اس نے اپنے دل کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسے بھول جائے اور اس کے ساتھ گزارے ہوئے زمانہ کی یاد کو فراموش کر دے۔

اس کی تکلیفیں دل کے ایک خالی گوشے میں سمٹ گئیں اور اگر اس نے انھیں یاد کیا بھی تو اس طرح جس طرح کوئی ڈراؤنے خوابوں میں سے کسی بھولے ہوئے خواب کو کسی نہ کسی وقت یاد کر لیتا ہے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتا ہے۔

اب وہ دور و نزدیک جہاں کہیں کسی مصیبت زدہ کے متعلق سن پاتا فوراً اس کے پاس جاتا اور اسکی امداد و اعانت کرتا۔ رات کی تاریکی ہو یا دن کی روشنی جس وقت بھی کوئی شخص اس کے دروازے کو اپنی کسی غرض کے لئے کھٹکھٹاتا

وہ اس کی دستگیری کرتا، وہ فرتز کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھنے لگا۔ ان کے سردار اور دکھ میں ان کا شریک ہو گیا، انھیں کھانے اور پہننے کو دیا اور خود بھی انھیں کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔ جو بڑے تھے وہ اسے بھائی اور جو چھوٹے تھے وہ اسے

باپ سمجھنے لگے اور ان لوگوں کے ساتھ رہ کر اسکے دل کو وہ مسرت و سکون حاصل ہوا، جسے وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہ کر حاصل کرنے کا آرزو مند تھا، اور اپنے پُرانے فن، فن موسیقی کی طرف لوٹ گیا جس کی طرف سے گزشتہ حالات و واقعات نے اسے غافل بنا دیا تھا۔

اسٹیفن موسیقی کا کوئی بڑا ماہر نہ تھا، لیکن وہ صاحب دل تھا اور دل ہی وہ پرورش سرچشمہ ہے جہاں سے شعرو موسیقی اور تمام فنون لطیفہ کے نوارے اُچھلتے ہیں، اس لئے اس نے بہت سے دل ہلا دینے والے نغمے ایجاد کئے اور اسکی

حیثیت ماہر سے زیادہ ایک مخترع کی سی ہو گئی۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

میری تو یہی آرزو تھی کہ کوہلائس میں ہم تم دونوں زیادہ دنوں تک ایک ساتھ رہتے اور موت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتی۔ لیکن تمہارے شوہر کی یہی مرضی تھی کہ وہ تمہیں لیکر یہاں سے بہت دور

چلے جائیں۔ بہر حال مجھے امید ہے کہ تم اپنے نئے گھر میں بھی اسی طرح خوش و خرم ہو گی جس طرح کو بلائیں میں رہا کرتی تھیں۔
خدا کا شکر ہے میں بھی اچھی ہوں اور تمھاری محرومی دیدار کے علاوہ کوئی دوسری تکلیف نہیں ہے، ایڈورڈ بھی
مجھ سے بہت محبت کرتا ہے جس کے لئے میں اس کی ممنون ہوں۔

اے سوزان تم سے کیا چھپاؤں کہ میں دل ہی دل میں اس غریب نوجوان پر کس قدر کڑھا کرتی تھی، جس پر صرف
میری وجہ سے بدبختی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ لیکن آج مجھے یہ معلوم کر کے بھید خوشی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سیدھے اور
معتدل راستے کی طرف لوٹ آیا ہے، اور اپنے اس گھر میں جو اس نے جو تیج میں بنوایا تھا ایک ایسی خاموش اور
پرسکون زندگی بسر کر رہا ہے جو رنج و غم کی آمیزش سے خالی ہے، بلکہ میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ اب وہ فن موسیقی سے
بھید دلچسپی لینے لگا ہے اور اس کے تمام لطیف جذبات و احساسات اسی میں صرف ہونے لگے ہیں اور جن لوگوں نے
مجھ سے اس کا تذکرہ کیا ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ شاید چند سال بعد ہی وہ اس میں بہت بلند پایہ شخصیت شمار ہونے
لگے گا۔ اس لئے میں خدا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کیونکہ میں یہی سوچا کرتی تھی کہ اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو یقیناً میری
زندگی بھی تلخ ہو جائے گی۔

اے سوزان، ذرا جلدی جلدی لکھا کرو، تمھاری جدائی میں تمھاری باتیں ہی باعث تسکین ہوتی ہیں۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

میں تمھیں دلی رنج و تکلیف کے ساتھ یہ خبر بد سناتی ہوں کہ میرے والد خدا انھیں بخشے، پانچ ماہ کی طویل علالت کے
بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، میں ان کی اس بیماری کے زمانہ میں ولفاخ ہی رہی اور وہیں ان کی تیمارداری کی۔
اب میں چند روز ہوئے کو بلائیں آگئی ہوں اور یہی وجہ تھی کہ تمھارے خطوں کا جواب بھی نہ دے سکی۔ مجھے امید ہے کہ
تم میری اس غلطی کو معاف کر دو گی اور اس غم میں میرے ساتھ آنسو بہاؤ گی۔

میں نہیں کہہ سکتی کہ اس حادثہ جانکاہ نے مجھ پر کیا اثر کیا، لیکن اس مصیبت میں میرے لئے جو چیز کسی قدر صبر و سکون
کا باعث ہوئی وہ یہ تھی کہ میری بہت سی سہیلیوں، اور میرے شوہر کے بہت سے دوستوں نے مجھے تعزیت کے بہت ہی
نرم و نازک خطوط لکھے اور میرے دل کے غم و اندوہ کو ایک حد تک ہلکا کر دیا، لیکن جس چیز نے مجھے انتہائی تعجب میں ڈال دیا
وہ یہ تھی کہ انہی خطوں میں مجھے ایک خط اسٹیفن کا بھی ملا، جس میں میرے والد کے انتقال پر دلی صدمہ کا اظہار کیا تھا، اور
ایسے انداز میں مجھ سے خطاب کیا تھا جیسے کوئی اپنے بہترین دوستوں سے خطاب کرتا ہے۔

مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگی کہ یہ شخص ان تمام باتوں کے باوجود جو میرے اور اسکے درمیان
ہوئیں، اگر اب بھی اپنے دل میں میری اتنی عزت کرتا ہے تو یقیناً وہ بڑا شریف النفس انسان ہے۔

اے سوزان، کیا تم بھی اس غیر معمولی انسان پر تعجب نہ کرو گی کہ اس کی عقل پر کل تک ہم لوگ ہنسا کرتے تھے اور جسے ہم آشفستہ مزاج لوگوں میں گنا کرتے تھے، اب اس کی حالت کس قدر بدل گئی، اور اب وہ ایسا نیک دل ہو گیا ہے کہ کسی سے کوئی کینہ یا عداوت نہیں رکھتا اور ایک ایسے گناہ کے بخش دینے پر بھی آمادہ ہے، جسے کوئی دوسرا شخص نہیں بخش سکتا اور ایسی برائی کو بھی بھلا سکتا ہے، جسے کوئی دوسرا نہیں بھول سکتا۔

اپنے شوہر سے میرا اور ایڈورڈ کا سلام کہنا، اچھا رخصت، والسلام

ماجد ولین کا خط سوزان کے نام

اے سوزان تم نے مجھے تین مہینے میں صرف ایک خط لکھا، اور وہ بھی پانچ سطروں سے زیادہ نہ تھا میں تمہاری اس کوتاہ نویسی پر کبھی صبر نہیں کر سکتی۔

اے سوزان جب سے میرے والد کا انتقال ہوا ہے، میں اپنے سینہ میں ایک انقلاب اور اپنے اندر ایک ضمحل محسوس کرنے لگی ہوں، اور میں نہیں کہہ سکتی کہ ایڈورڈ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ پہلے کی نسبت میری طرف سے کچھ بدل سا گیا ہو اور اب مجھے اس نگاہ سے نہیں دیکھتا جس نگاہ سے پہلے دیکھا کرتا تھا۔

میں یہ نہیں کہتی کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے، یا مجھے تنگ آ گیا ہے، لیکن اس قدر ضرور کہوں گی کہ اب اس کی آنکھوں میں اپنی طرف سے ایک برگشتگی، اور رکاوٹ محسوس کرنے لگی ہوں، جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی، اب اس کا کوئی تبسم تصنع کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا، حالانکہ اس سے پہلے اس میں محبت ہی محبت ہوتی تھی۔ اب ہماری گفتگوؤں میں طویل اور وحشت انگیز وقفے حائل ہونے لگے ہیں حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

اب یہ کیفیت ہے کہ میں جس چیز کو اچھا کہوں وہ اسے برا سمجھتا ہے، اور جس چیز کو میں برا کہوں وہ اسے اچھا کہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ جان بوجھ کر میری مخالفت کرنا چاہتا ہے۔ اب وہ دوستوں سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا ہے اور گھنٹوں انھیں کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔

پہلے اگر میں کبھی کسی دوست کے سامنے ہنس دیتی تھی یا کسی کے تبسم کے جواب میں مسکرا پڑتی تھی یا کسی کے ساتھ کچھ بات چیت کرنے لگتی تھی، تو وہ یہ دیکھ کر چپ ہو جاتا تھا اور اس گہری خاموشی کا اثر اس کی آنکھوں اور زبان سے ظاہر ہونے لگتا تھا۔ لیکن اب وہ ان باتوں میں سے کسی چیز کی پروا نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ غیرت ہی محبت کا دھواں ہے اور جب یہ آگ بجھنے لگتی ہے تو دھواں نکلنا بھی بند ہو جاتا ہے۔

اے سوزان میری ان باتوں سے تم غلگین نہ ہونا بہت ممکن ہے کہ یہ سب میرا وہم و خیال ہو، اور کیا عجب ہے کہ میں چند ہی روز بعد انھیں لکھوں کہ میں بجز اللہ خوش و خرم ہوں، اور اب ان توہمات کا کوئی اثر میری طبیعت پر نہیں ہے۔

سوزان کا خط ماجدولین کے نام

اس میں شک نہیں اے ماجدولین کہ تم بڑی دہمی ہو، ایڈورڈ یقیناً تم سے بید محبت کرتا ہے اور میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ تم اپنی ان آشفٹ خیالیوں کے ساتھ کسی کے سمجھنے کی کوشش نہ کیا کرو، کیونکہ یہ بڑی پریشان کن اور تھکانے والی بات ہے۔

یاد رکھو کہ سعادت ایک پھول ہے جو اسی وقت تک تر و تازہ رہتا ہے جب تک کہ اس کا دیکھنے والا اس کی خوشنوائی اور خوشبو پر اکتفا کرتا رہے، لیکن جب وہ اس سے بڑھکر اسے چھونے اور ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مرجھا جاتا ہے اور اس کی رونق و خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔
زیادہ بھر سلام کے اور کیا لکھوں، خدا حافظ۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

پچھلے دنوں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، جسے میں تم سے کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ چند روز ہوئے مجھے انور ایڈورڈ کو ایک تفریحی جلسے میں شرکت کی دعوت دی گئی اور صاحب جلسہ نے دعوت دیتے وقت یہ بھی کہا کہ اس جلسہ میں ایک بڑا ماہر موسیقی بھی شریک ہوگا، ہم نے اس کا نام معلوم کرنے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔
چنانچہ میں اس جلسہ میں گئی اور میرے جانے کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ہی نہ تھا کہ میں موسیقی کے اس ماہر کو دیکھوں اور اس کے گانے سنوں، چنانچہ میں برابر پیانو کی کرسی کی طرف لگا ہوں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھی کہ ایک ڈبلا پتلا سانولے رنگ کا نوجوان، ان لوگوں میں سے نکل کر اس کرسی کی طرف بڑھا یہ اسٹیفن تھا۔

میرے لئے اس کو پہچان لینا کوئی آسان کام نہ تھا، کیونکہ اب وہ پہلا سا پریشان حال انسان نہ تھا، بلکہ ایک دوسرا انسان تھا نہایت خوش طبع، خوش پوشاک اور خوش اخلاق۔

اس کے بعد اس کی انگلیاں پیانوں کے تاروں سے کھیلنے لگیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ اس کے تاروں سے نہیں بلکہ دلوں اور جذبات سے کھیل رہی ہیں۔ اسی اثنا میں وہ نہایت ہی پردرد اور پرسوز لہجے میں گانے لگا، ہم سن رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا ہم اس دنیا سے کسی دوسری دنیا کی طرف منتقل ہو گئے ہیں اور یہ جو کچھ ہم سن رہے ہیں اس عالم آہِ دگل کی آواز نہیں ہے بلکہ کسی اور دنیا کی چیز ہے، یہاں تک کہ جب وہ آخری گیت پر پہنچا تو حاضرین نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کی تعریف کرنے لگے۔

وہ بھی ان کی اس تعریف اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا رہا، اور پیچ پیچ میں ایک ایسے عجیب اور پرسکون تبسم کھینچا

مُسکراتا رہا کہ اس کی طرف دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ بہ تکلف مسکرا رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے اس تبسم میں کسی اندرونی غم کی جھلک نظر آرہی تھی۔

جس وقت سینے اور ایڈورڈ نے اسے مبارکباد دی، تو میں سمجھی کہ وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر منہ پھیر گیا، لیکن جوں ہی اسکی نگاہ ہم دونوں پر پڑی، ایک ہلکی سی کپکپی تو ضرور اسکے ہونٹوں میں پیدا ہوئی، لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا اور ایسے سکون و اطمینان کے ساتھ ہم سے باتیں کرنے لگا جیسے وہ کسی ایسے سلسلہ کلام کو ختم کر رہا ہے جو پہلے سے ہمارے اور اس کے درمیان جاری تھا۔

اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کے اور ہمارے درمیان وحشت و اجنبیت کی خلیج کم ہوتی گئی چنانچہ ہم نے اس سے مختلف موضوع پر گفتگو کی اور ایڈورڈ نے اس سے وعدہ کیا کہ عنقریب اس کی ملاقات کے لئے اس کے گھر آئے گا۔ اس کے بعد ہم لوگ ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

اے سوزان میرے سینے کے انقباض اور غم و الم کا وہی عالم ہے۔ ایڈورڈ، اپنی عنایتوں کے لحاظ سے مجھ سے جس قدر قریب ہے، اپنے دل اور جذبات کے لحاظ سے اسی قدر دور ہے۔ اس نے اپنے دل کے خالی حصوں کو مختلف کیفیتوں سے بھر رکھا ہے، جنہیں نہ میں جانتی ہوں نہ سمجھتی ہوں اور محبت کے لئے صرف ایک جھوٹا سا کونہ رہنے دیا ہے، جہاں محبت کے لطیف جذبات گھٹتے محسوس ہوتے ہیں، اب میرے ساتھ اس کی محبت بہت سرد ہو گئی ہے، اور شاید وہ اس محبت سے زیادہ نہیں جو وہ اپنے گھوڑوں، اپنے مخلوق اور باغوں سے رکھتا ہے۔

میں جانتی ہوں کہ اگر وہ اس سے زیادہ محبت کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کا نفس ایسا روشن اور پر شعور نفس نہیں ہے جو محبت کی راہوں میں سے ہر راہ پر چل سکے، وہ محبت کے صرف اُن مادی مفہوم کو جانتا ہے جس سے ایک حیوان بھی ناواقف نہیں۔

اور میری عزیز بہن، سچ تو یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے اُن ایام میں جو اس کے ساتھ گزارے باوجود اس سے محبت کرنے کے ایک دن بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ میرا دل اس کے دل سے مل گیا ہے بلکہ ہمیشہ یہ خیال کرتی رہی کہ اگرچہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے، تاہم وہ میرے دل میں اس لطیف اور شاعرانہ محبت کا شعلہ روشن کرنے سے قاصر ہے جسکے بغیر ایک عورت اپنے شوہر سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔

میں بہت روز سے ایسا محسوس کر رہی ہوں گویا تمام دنیا سے دور ایک ایسے کونہ میں پڑی ہوئی ہوں جہاں کوئی بات کرنے والا ہے نہ سننے والا۔ اس لئے جس وقت مجھے کوئی فکر ستاتی ہے یا کسی رنج و خوشی کی خبر کو سنا کر میرے

دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے، تو میں ان میں سے کوئی چیز بھی اس سے بیان نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اُسے سنکر یا تو سمجھیں گے یا اسے حقیر سمجھ کر مجھے بھی حقیر سمجھنے لگے گا، اس لئے میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوتا کہ میں اسے اپنے دل میں گھونٹ گھونٹ کر رکھوں۔

اے سوزان! کیا اب بھی تم یہی سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری احتیاج نہیں ہے اور میرے پاس آنے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔

سوزان کا خط ماجدولین کے نام

میں دیکھتی ہوں کہ تم اپنے ہر خط میں اسٹیفن کا ذکر کرتی ہو۔ شاید تم اس چیز کو بھول گئی ہو کہ اب وہ تمہارے لئے ایک غیر آدمی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ تمہارا دیرینہ تعلق کبھی کا ختم ہو چکا ہے، مجھے ڈر ہے کہ میں تمہارے اس رنج کا سبب اسٹیفن کی وہ ملاقات تو نہیں ہے جس کا ذکر تم مجھ سے کر چکی ہو، کیونکہ مجھے یاد نہیں آتا کہ آج سے پہلے بھی میں نے تمہیں کبھی ایڈورڈ کی شکایت کرتے سنا ہو، یا اس کے ساتھ رہنے میں اس حد تک بیزاری محسوس کی ہو، میں جو کچھ کہہ رہی ہوں تم اس سے متوجش نہ ہونا، کیونکہ نہ میں تم پر کوئی تہمت لگاتی ہوں، اور نہ تمہارے بارے میں، جیسا کہ تم خود جانتی ہو کوئی شک و شبہ رکھتی ہوں۔ لیکن مجھے تمہاری طرف سے اس قدر اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے ماضی کی یاد تمہارے حال سے ٹکرائے اور اس طرح تم نہ ماضی کو پاس کرو اور نہ حال سے فائدہ اٹھا سکو۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

جس غم کو میں اس وقت اپنے اندر پاتی ہوں، اس کا اسٹیفن سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور میرے اور اس کے درمیان جو تعلق ہے وہ ان دو دوستوں کے تعلق سے زیادہ نہیں ہے، جن میں سے ایک نے دوسرے کے لئے انتہائی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہوں اور اس دوسرے شخص نے اس کے ان احسانات کے بدلہ میں اس کا صرف شکریہ ادا کیا ہو۔

تم اپنے خط میں جس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہو، میں قسم یہ کہتی ہوں کہ اس کا میری طبیعت پر کوئی اثر نہیں ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ خود اس کی طبیعت پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہو گا، کیونکہ اس رات کے علاوہ جس کا ذکر تم سے کر چکی ہوں میں اس سے دو مرتبہ اور بھی مل چکی ہوں۔ مگر میں اس کی نگاہوں میں یا اس کی گفتگو میں گزشتہ محبت کا کوئی نشان نہیں دیکھا غم کی ایک جگہ سی جھلک اس کی آنکھوں میں ضرور نظر آتی ہے، لیکن غالباً وہ غم گین و افسردہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کے گزشتہ غم کی تصویر ہے جو زمانہ نے اس کے چہرہ پر کھینچی تھی اور اب اک دھندلے خاک کی طرح باقی رہ گئی ہے۔ جس طرح

زخم کے منڈل ہو جانے کے بعد اس کا نشان رہ جاتا ہے۔

اس لئے اسے سوزان تم مطمئن رہو، میرے متعلق تمھاری رائے آج بھی وہی ہونا چاہئے جو کل تک رہی ہے۔ اور میرے اور تمھارے درمیان جو یہ بعد ہے، اسے میرے اور تمھارے نفس کا حجاب نہ بن جانا چاہئے۔

اسٹیفن کی ترقیاں

اسٹیفن کی شہرت عام ہو گئی، اور اس کا شمار موسیقی کے ماہروں میں ہونے لگا۔ جو تینچ اور اس کے قریب جوار سے لیکر کوئٹہ تک بہت سے گانے والوں اور اداکاروں نے اس کے گانے میں آکر اس سے ملاقاتیں کیں اور گانے کی فرمائشیں کیں اور اس طرح دولت کے دروازے اس پر کھل گئے۔ اس کا باپ بھی مرچکا تھا اور جو کچھ اس نے چھوڑا اس کا وارث بھی وہی ہوا۔ چنانچہ جب وہ کسی کام سے ایک دو روز کے لئے کوئٹہ جاتا تو اپنے ہی گھر میں قیام کرتا، اور وہیں اس کے دوست احباب اور اس کے معقدین اسکی ملاقات کو آیا کرتے۔

اسے اپنی زندگی کے اس نئے راستہ میں ایک قسم کا سکون ملنے لگا تھا، لیکن اس کے باوجود بسا اوقات ان کی تنہائی و خاموشی میں تمام گزشتہ باتیں اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتیں کبھی وہ رات اس کو یاد آ جاتی جب وہ کوئٹہ سے بے یار و مددگار مارا تاڑا نکلا تھا، اور کبھی وہ رات جب وہ ماجدولین کو دیکھنے کے لئے سوزان کی شادی میں گیا تھا اور ایک مہمان نے اس کے چہرے پر کوڑا مار کر اسے زخمی کر دیا تھا، کبھی اس رات کا خیال آ جاتا جو اس نے اپنے ایک عزیز کے مرنے پر انتہائے خوف و ہراس کے عالم میں اس کے گھر گزاری تھی، اور کبھی اس رات کا جو اس نے ماجدولین کی سیڑھیوں کے نیچے پڑے پڑے صبح کر دی تھی اور وہ اپنے شبستان عیش میں لیٹی ہوئی ایڈورڈ سے مصروف راز و نیاز تھی اور پھر اس کے سامنے کبھی اس کے بھائی کی تصویر آ جاتی، کہ وہ میدان جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پڑا ہوا ہے، گھوڑے اسے روند رہے ہیں اور اس کے جسم کو چھلنی بنا رہے ہیں، اور کبھی اس کی نگاہوں میں ماجدولین کی صورت پھر جاتی کہ وہ ایڈورڈ کے ساتھ اپنے باغ کی بنچ پر بیٹھی ہوئی محبت کی سرگوشیاں کر رہی ہے۔

غرض اس طرح اس کی بد قسمی کے دن اور بد نصیبی کی راتیں ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے گزر جاتیں، اس کے بعد اس کی امیدوں کا باغ اپنی پوری تازگی و شادابی کے ساتھ اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا، لیکن پھر فوراً ہی اسے دکھائی دیتا کہ حادثہ کی بادِ سموم نے اس کے سبزہ زاروں کو خشک اور اس کے پھولوں کو کھلا دیا ہے اور وہ ایک گرم و خشک گیتان کی طرح نظر کے سامنے ہے۔ جہاں نہ شاخیں جھومتی ہیں، نہ پرندے چہچہاتے ہیں۔ اس وقت اسے معلوم ہوتا کہ وہ تنہا عالم اور اس کی نیرنگیوں سے بہت دور زندگی بسر کر رہا ہے، کیونکہ ماجدولین اس کے پاس نہیں ہے اور یہ مال و دولت اور یہ ثروت و عزت جو اسے حاصل ہے، بے حقیقت ہے اور جو گیت وہ گاتا ہے وہ فی الحقیقت اسکی ناکام آرزو کا اتم ہے

اس کا دل حسرت و اندوہ سے گھل جاتا اور خوب روتا، یہاں تک کہ اس کا غم کچھ ہلکا ہو جاتا اور وہ پھر زندگی کی عام راہوں پر چلنے لگا۔

اس کی زندگی کے دل اسی طرح گزرتے گئے، یہاں تک کہ ماجدولین سے اس کی وہ ملاقات ہوئی جس کا ذکر ماجدولین نے سوز آئن کے خط میں کیا تھا، وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا، لیکن اس خوشی میں اس کے ساتھ گزرے ہوئے زمانہ کی یاد کا رنج بھی شامل تھا۔ تاہم اس نے صبر و ضبط سے کام لیا اور اپنے جذبات کو بے قابو نہیں ہونے دیا۔

کچھ روز بعد ایڈورڈ اپنے وعدے کے مطابق اس کی ملاقات کے لئے اس کے گھر گیا اور اپنے طرز عمل پر معافی کا خواستگار ہوا۔

دوسرے دن اسٹیفن اس کی باز دید کے لئے اس کے گھر پہنچا اور ماجدولین سے بہت فراخ دلی کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے بعد بھی وہ اس سے اپنے بعض دوستوں کے یہاں برابر ملتا رہا۔ نیریلک جلسوں میں اور کبھی ایڈورڈ کے ساتھ اس سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ غرض وہ جب بھی ملتا اور جہاں بھی ملتا بڑی محبت سے ملتا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ وہ اس سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ معمولی بات چیت کے علاوہ اس سے کسی دوسری گفتگو کا موقعہ آئے، کیونکہ وہ گزشتہ زمانہ کو بھلا دینے پر آمادہ ہو چکا تھا اور اب اسے اپنے سینے کی دبی ہوئی چنگاریوں کو پھر سے ہوا دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اس کے علاوہ وہ دل ہی دل میں اسکی ان بیوفائیوں پر جو اس نے اسکے ساتھ کی تھیں، ہمیشہ ناراض رہتا تھا اور وہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ وہ اس کی گفتگو یا اس کی نگاہوں میں اس غم کے اثر کو محسوس کر لے، کچھ تو اپنی خود داری اور خود پسندی کی خاطر اور کچھ اس خیال سے کہ جب وہی میری پروا نہیں کرتی تو پھر میں کیوں کر دل، اور جب وہی اپنے عہد و پیمان پر ثابت قدم نہ رہی تو میں کیوں رہوں۔

الغرض یہ کہ اس کے ساتھ اس کا معاملہ کچھ اس قسم کا تھا کہ ایک ہی وقت میں دو مختلف جذبات اسکے دل میں موجود رہتے۔ ایک جذبہ محبت اور دوسرا جذبہ ناراضگی، وہ اس سے محبت بھی کرتا، اور اپنے اختیار سے اسے چھوڑ بھی نہ سکتا۔ اس سے ناراض بھی رہتا اور یہ بھی نہ چاہتا کہ اسکی محبت کا اسے علم ہو۔

ماجدولین کے حالات میں تبدیلی

ایڈورڈ کا طال روز بروز بڑھتا رہا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر سے بھی تنگ آگیا اور وہ تمام ان چیزوں سے اپنا دل بھلانے لگا جن سے کمزور طبیعتیں اپنی تنگدلی اور کسبیدگی کا علاج چاہتی ہیں۔ چنانچہ اس نے جوا کھیل، شرابیں پیں اور کبھی کبھی راتوں کو گھر سے باہر بھی رہنے لگا۔

ماجدولین پر یہ باتیں بہت شاق گزریں، اسے ان باتوں کا سخت صدمہ ہوا اور اس کی نگاہوں میں ماویت

کے وہ تمام مظاہر جو اسے تھوڑی دیر پہلے بہت محبوب تھے، ایک ایک کر کے مکر وہ معلوم ہونے لگے۔ چنانچہ قرض گامیوں اور محفلوں میں اسے شریک ہونا چھوڑ دیا، نمود و نمائش کو ٹھکرا دیا اور زیبائش و آرائش سے بھی دل برداشتہ ہو گئی۔ وہ دن رات اسٹیشن کے اس محلے کو دہراتی رہتی جو اسے اپنے پچھلے کسی خط میں لکھا تھا کہ ”اے ماجدولین کبھی یقین نہ کرنا کہ اس دُنیا میں محبت کے علاوہ کوئی دوسری سعادت بھی ہو سکتی ہے اور اگر تم ایسا کرو گی تو یقین جانو اپنے دل کی موت پر آپ دستخط کر دو گی۔“

اس عالم بد نصیبی میں اگر کوئی چیز اس کے لئے باعث تسلی ہو سکتی تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ وہ کبھی کبھی اسٹیشن کو دیکھ لیتی تھی، اس کی مجلسوں میں شریک ہو جاتی تھی، اور اس کی باتوں میں اب بھی وہ ملکوتی تصورات دیکھتی تھی جو ایک زمانہ تک اسے مسحور کر چکے تھے اور جب سوچتی کہ وہ اپنی گزشتہ زندگی میں اسکے پاکیزہ اور شریف دل کی مالک رہ چکی ہے تو وہ خود اپنے اوپر فخر کرنے لگتی اور اس طرح گزشتہ زمانے کی خوش نصیبی کی یاد موجودہ بد بختی کی تلخیوں کو کچھ کم کر لیتی۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

چند روز ہوئے مجھے ایک خوفناک راز کا علم ہوا ہے۔ کاش مجھے اسکی خبر نہ ہوتی اور کاش میں اسکے سننے سے پہلے ہی مر گئی ہوتی۔

ایڈورڈ مفلس و قلاش ہو گیا، اس نے اپنی تمام جائیداد فروخت کر دی۔ تاہم اس پر ابھی کچھ قرض اور باقی ہے جس کی ادائیگی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اب میرے لئے اپنے جواہرات اور قیمتی کپڑوں کا فروخت کرنا ناگزیر ہے۔ شاید اسی طرح ہم اپنے رہنے کے مکان کو قرض خواہوں کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکیں، مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اس کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا۔

گزشتہ رات میں نے خود ہی ان حالات کے متعلق دریافت کیا۔ پہلے تو اس نے ٹال دینے کی کوشش کی آخر مجبور ہو کر اعتراف کیا کہ سب کچھ جوئے کی نذر ہو چکا ہے۔ میں نے اسکی ان حرکتوں پر اپنی ناراضی کا اظہار تو ضرور کیا، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اسے کوئی سخت بات نہیں کہی۔ مگر اے سوزان تمہیں معلوم ہے اسنے مجھے کیا جواب دیا؟ کہنے لگا کہ ”میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی غلطی کی ہے اور وہ یہ کہ میں نے ایک ایسی فقیر و محتاج لڑکی سے شادی کی جو مصیبتوں میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“ اور سچ تو یہ ہے کہ اس نے بہت ٹھیک کہا۔ کیونکہ ایک مالدار مرد کے لئے ضروری ہے کہ ایک مالدار لڑکی سے شادی کرے اور اسی طرح ایک فقیر لڑکی کیلئے بھی یہی مناسبت ہے کہ ایک غریب مرد سے شادی کرے تاکہ دونوں کا معیار زندگی برابر ہے۔ اے سوزان، میں اپنی حالت پر نہیں روتی کیونکہ میں نے تو اپنی زندگی کے اکثر دن فقر و احتیاج میں گزارے ہیں، بلکہ اس ننھی سی غریب جان پر روتی ہوں جو میرے شکم میں پرورش پا رہی ہے اور جسے شاید کل ہی فقر و احتیاج اور ذلت و بد بختی کے ساتھ جینا پڑے۔ اب تو میں ہر وقت خدا سے ناگہانی موت طلب کرتی ہوں، جو میرا اور اس کا جلد سے جلد خاتمہ کر دے۔

نیلگوں مکہ

اس مصیبت کا ایڈورڈ کی طبیعت پر اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا اور ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن زندگی کے دن ابھی کچھ اور باقی تھے، اس لئے بچ گیا، اور جوں ہی اس کی حالت ذرا بہتر ہوئی، فوراً ہی اسٹیفن نے جو کہ اس کی علالت کے زمانہ میں اس کے بستر کے پاس سے نہ ملتا تھا اور اس مصیبت میں اس کی ہر ممکن امداد و اعانت کرتا رہا تھا، اُس کو اپنے ہمراہ جو تنخ لیجانے کی خواہش کی تاکہ اس کا دل ذرا بہل جائے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گیا اور ماجدولین بھی ان دونوں کے ہمراہ روانہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب گاڑی گاؤں کے قریب پہنچی تو فرترز، اس کی بیوی اور اس کے بچوں نے دریا کے کنارے بڑے جوش و مسرت سے استقبال کیا۔

اسٹیفن نے بڑھکے فرترز سے ہاتھ ملایا اور دونوں دو عزیز دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے گلے ملتے رہے۔ پھر اس نے جوزفائن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے بچوں کو اپنے سینہ سے لگا کر انھیں پیار کرتا رہا، وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے ”اس مرتبہ تو آپ نے بہت دن لگا دیے ہمیں ڈر تھا کہ ہمیں چھوڑ کر وہیں نہ رہنے لگیں۔“

ان میں سے بڑا لڑکا جسکی عمر اس وقت تیرا سال کی تھی اسٹیفن سے کہنے لگا: ”دیکھئے یہ وہی نئی چادر اور ٹھے ہوئے ہوں جو آپ نے میرے لئے بھیجی تھی۔“ اسٹیفن کہنے لگا: ”اب تو تم بغیر دوسرے کی مدد کے خود ہی بادبان کھول لیتے ہو گے؟“ کہنے لگا ”جی ہاں، بلکہ ہوائی تیزی کے وقت خود ہی اُسے لپیٹ بھی لیتا ہوں۔“ ان میں سے جو ننھیلا تھا اور جس کی عمر اس وقت کوئی نو برس کی تھی اسٹیفن سے کہنے لگا: ”ہماری جوتیاں تو پرانی جو چکی ہیں، کیا آپ ہمارے لئے نئی جوتیاں لائے ہیں؟“ اسٹیفن کہنے لگا: ”ہاں میں تم سب لوگوں کے لئے بہت خوبصورت جوتے اور اچھے اچھے ٹوپ لایا ہوں۔“ یہ سن کر انکے چہرے خوشی سے چمکنے لگے، اور وہ سب اپنی ماں کے چاروں طرف جمع ہو کر اُسے یہ خوشخبری سنانے لگے۔

سب سے چھوٹی بچی اسٹیفن کی چادر سے لپٹ گئی اور بولی: ”آپ نے جو بکری ہمیں دی تھی اس کے ایک ننھا سا بچہ ہوا ہے اس کا رنگ سفید اور آنکھیں کالی ہیں ہمارے ساتھ چلوں ہم تمہیں دکھائیں۔“ اسٹیفن یہ سن کر مسکراتے لگا اور اسے چمٹا کر کہنے لگا: ”اچھا نکستہ رین“ میں ابھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ انکے بعد وہ ماجدولین کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا ”یہ سب لوگ مجھ سے سید محبت کرتے ہیں اور میں بھی اب ان لوگوں میں اسی طرح رہتا ہوں گویا اپنے خاندان اور بال بچوں میں رہا ہوں۔“ ماجدولین یہ سن کر کانپ گئی اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا، اس کے بعد سب لوگ کشتی میں سوار ہو گئے اور چھوٹا ملاح کشتی کے بادبان کھولنے کے لئے آگے بڑھا اور اسٹیفن کو مخاطب کر کے کہنے لگا: دیکھئے جناب اب میں بغیر کسی کی مدد کے خود ہی بادبان کھول رہا ہوں۔“ اسٹیفن نے کہا: ”شباباش میرے بچے بہت خوب۔“ اسکے بعد کشتی چلی اور دیا کے دوسرے کنارے سے جا لگی۔ ایڈورڈ، اسٹیفن کے بازو کا سہارا لیکر کشتی سے اُترا، اور سب لوگ ٹہکتے ہوئے گھر کی طرف جانے لگے کیونکہ وہ قریب

ہی ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ اس گھر کی کنجی فرتز کے پاس رہا کرتی تھی اس لئے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور دروازہ کھلنے پر سب لوگ پائیں باغ میں داخل ہو گئے۔

سب سے پہلے ماجدولین کی نگاہ باغ کی چہار دیواری پر پڑی، اس نے دیکھا کہ دیواریں اندر سے چاروں طرف بنفشہ کے پھولوں کا ایک خوبصورت لباس پہنے ہوئے ہیں اور اسے اسٹیفن کا وہ خط یاد آگیا جو اس نے پانچ سال ہوئے ایڈورڈ سے شادی ہونے سے کچھ پہلے بھیجا تھا اور لکھا تھا کہ اس نے اس کے لئے جو گھر بنوایا ہے اس کے چاروں طرف بنفشہ کے وہی پھول ہیں جنہیں وہ بہت پسند کرتی ہے۔

جب وہ ذرا اور آگے بڑھی تو اسے باغ کے درمیان پانی کا ایک حوض نظر آیا اور اسکے چاروں طرف وہ جنگل دیکھا جس کے متعلق اسٹیفن نے اپنے کسی خط میں لکھا تھا کہ اس نے حوض کے چاروں طرف اپنے بچوں کے گرجانے کے خیال سے نصب کرایا ہے۔ پھر اس نے باغ کے ایک کونے میں ایک بڑی سی بنج بکھی ہوئی دیکھی جس میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور اس کے دوسری طرف قریب ہی بچوں کے لئے ایک چھوٹا سا پائلا ٹک رہا تھا۔

اس وقت اسے اپنی ذلت و رسوائی کا احساس ہوا، اور دل ہی دل میں کہنے لگی: ”اس نے مجھے معاف نہیں کیا ہے وہ مجھ سے بکشادہ پیشانی صرف اس لئے ملتا ہے کہ مجھے حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور اس قابل بھی نہیں جانتا کہ میرے کسی گناہ کا بدلہ لے اور جن پر لطف نگاہوں سے وہ مجھے دیکھتا ہے وہ حقیقت میں ایک بڑے آدمی کی رحم آلود نگاہیں ہیں، جنہیں وہ ایک بدبخت انسان پر صرف اس لئے ڈالتا ہے کہ وہ اس کی رحمت و شفقت کا محتاج اور امیدوار ہے“ ان خیالات نے اس کی طبیعت پر بہت برا اثر کیا اور وہ غمگین ہو گئی۔

اسٹیفن نے باغ میں ایک طرف اپنے سونے بیٹھنے اور دوستوں سے ملاقات کے لئے چند کمرے بنوائے تھے اور باقی تمام گھر کو یوں ہی خالی چھوڑ دیا تھا اور اس خیال سے کہ کہیں ان چیزوں کو دیکھ کر اس کے گزشتہ جنون کی یاد پھر سے تازہ نہ ہو جائے وہ نہ کبھی اس طرف جاتا اور نہ اس میں ٹھہرتا۔ چنانچہ انہیں کمروں میں سے ایک کمرہ اس نے ایڈورڈ کے لئے بھی مخصوص کر دیا۔

اب رات ہو چکی تھی اور فرتز اور اس کے بیوی بچے اپنے گھر کو جا چکے تھے اور باغبان بھی اپنی کوٹھری میں جا چھپا تھا اور تنہا اسٹیفن، ماجدولین کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس جدائی کے بعد اس سے تنہائی میں ملنے کا آج یہ پہلا موقع تھا، چنانچہ اس کے ذہن میں گزشتہ خوش نصیبی کی مٹی ہوئی تصویر پھر سے اُبھرنے لگی، اور اپنے دل میں کہنے لگا: ”ہاں یہ وہی گھر ہے اور وہی باغ ہے، یہ وہی سبزہ ہے اور وہی پیڑ ہیں، یہ وہی رات ہے اور وہی چاند ہے اور یہ وہی آسمان ہے اور وہی چاندنی ہے یہ پانی کا وہی حوض ہے جس میں مچھلیاں دوڑتی پھر رہی ہیں اور یہ وہی ماجدولین ہے جو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور میرے اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں، لیکن میں اپنا ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھا سکتا بلکہ نظر بھر کر بھی اسے

نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ اتنی سخت قربت کے باوجود بھی میرے اور اس کے درمیان وہ بعد ہے جو میرے اور افق پر چمکتے ہوئے اُس ستارے کے درمیان!

وہ اس خیال میں دیر تک مستغرق رہا، آخر ماجدولین نے خود ہی گفتگو کی ابتدا کی اور بولی: ”اے اسٹیفن تمہارا گھر کس قدر خوبصورت ہے اور اس کا نظارہ کیسا دلنریب ہے“ اسٹیفن سمجھا کہ وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہی ہے اور اس کے غموں کو بے حقیقت سمجھ کر اس آزادی و بیباکی سے اُنھیں یاد دلانا چاہتی ہے۔ چنانچہ غیر شعوری طور پر اس کے دل میں وہ چیز آگئی جو خود اس کے ضمیر کے خلاف تھی اور کہنے لگا: ”جو شخص ایسے خوبصورت اور عظیم ایشان محل میں رہتا ہو جس میں تم رہتی ہو وہ اس مختصر جھونپڑی کی کیا پروا کر سکتا ہے“ ماجدولین یہ سمجھی کہ وہ اسے طعنہ دے رہا ہے۔ چنانچہ اس خیال سے وہ اپنے دل میں آزرہ تو ضرور ہوئی لیکن اس آزرہ کی میں راحت و مسرت کی ایک خفیف سی آمیزش بھی تھی کیونکہ اس طرح اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی یاد اس کے ذہن سے ابھی تک محو نہیں ہوئی ہے اور اس گزشتہ محبت کا کچھ نہ کچھ اثر اب تک اسکی طبیعت پر قائم ہے۔ چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ وہ اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور کہنے لگی: ”انسان خواہ کتنے ہی چھوٹے سے گھر میں کیوں نہ رہے لیکن اگر وہ وہاں خوش ہے تو وہ چھوٹا سا گھر عالیشان اور خوبصورت محلوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔“

اسٹیفن نے یہ سن کر ایک حسرت بھری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا گویا یہ کہہ رہا تھا کہ ”نہیں وہ خوش قسمت نہیں ہے، بلکہ روئے زمین پر سب سے زیادہ بدنصیب انسان ہے۔“ لیکن اس سے پہلے کہ ماجدولین کو اس کی خبر ہو اس نے اپنی نگاہیں فوراً نیچے کر لیں اور خاموش رہا۔ اس کے بعد وہ بہت دیر تک اس کے ساتھ مختلف قسم کی باتیں کرتی رہی۔ یہاں تک کہ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسٹیفن بھی اس کے ساتھ ساتھ اٹھ بیٹھا، اور دونوں باغ میں تھوڑی دُور تک ٹہلتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ وہ اس زینے کے قریب سے ہو کر گزرے جو بالائی منزل کی طرف جاتا تھا۔

ماجدولین اسے دیکھ کر کہنے لگی: ”کیوں اسٹیفن کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں اوپر چڑھ کر تمہارے گھر کو دیکھ آؤں، اور اگر تم بھی میرے ساتھ اوپر چلو تو بڑی مہربانی ہوگی۔“ پہلے تو اسٹیفن کچھ پریشان سا ہوا پھر کہنے لگا: ”آپ کی مرضی“ اور اسے ساتھ لیکر اس زینہ پر چڑھنے لگا جس پر پانچ سال سے اس نے قدم نہیں رکھا تھا اور اوپر پہنچ کر وہ پہلے کمرے کی طرف گیا اور اس کا دروازہ کھول کر کہنے لگا: ”یہ وہ کمرہ ہے جسے میں نے اپنے بیٹھنے اور اپنے مطالعہ کے لئے بنوایا تھا لیکن اب مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ باغ کے کمروں میں سے ایک کمرہ میں نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔“ پھر اس نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا اور کہنے لگا: ”یہ وہ کمرہ ہے جسے میں نے تمہارے والد مرحوم کے لئے اس وقت بنوایا تھا جب میرا خیال تھا کہ وہ اس گھر میں ہمارے ساتھ رہا کریں گے۔“

اس نے دیکھا کہ اس کمرے کا فرش بہت خوبصورت اور سامان بہت عمدہ ہے اور پھولوں کے گلہ ان بھی رکھے ہوئے

ہیں۔ جنکے سوکھے ہوئے پھولوں کی بکھری ہوئی پتیاں کمرے میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ اپنے والد کو یاد کر کے اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے۔ اس کے بعد وہ تیسرے کمرے کی طرف بڑھا، اس کی کنڈھی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر فوراً ہٹا لیا اور بہت ہی لپست اور دبی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

”اے ماجدولین، مجھے معاف کرنا میں اس کمرے کو کھولنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا، کیونکہ یہ وہی کمرہ ہے جسے میں نے اپنے بھائی اوجہین کے لئے بنوایا تھا اور میں عہد کر چکا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں اسکے دروازوں کو نہیں کھولوں گا۔“

اس کی اس کیفیت نے ماجدولین کے دل پر بڑا اثر کیا اور کہنے لگی: ”کیوں اسٹیفن، کیا تم ابھی تک اوجہین کے لئے ٹنگین ہو؟“

وہ بولا: ”ہاں، یہ وہ غم ہے جو تازیت مجھ سے مفارقت نہیں کر سکتا۔“

اس کے بعد وہ سب سے آخری کمرے کی طرف بڑھا اور بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ کنڈھی ہٹا کر دروازہ کھول دیا، اور خود ایک طرف کو ہٹ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔

ماجدولین نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور سب کچھ سمجھ گئی۔

یہ ایک وسیع و خوبصورت کمرہ تھا جس کی دیواریں نیلے رنگ سے رنگی ہوئی تھیں، زمین پر نیلا فرش بچھا ہوا تھا، ایک طرف مسہری کچھی ہوئی تھی، جس پر نیلے رنگ کی ریشمیں چادر پڑی ہوئی تھی اور دوسری طرف خوبصورت سی میز رکھی ہوئی تھی، جس پر آرائش کی چیزیں سلیقے سے چنی ہوئی تھیں اور وہیں قریب ہی کپڑے رکھنے کی ایک الماری تھی، اور ایک قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا، اور دو شخصوں کے لایق ایک بڑا سا سوفا بچھا ہوا تھا۔ اسکے علاوہ چند اور نیلے رنگ کی کرسیاں بھی تھیں جو قرینے سے رکھی ہوئی تھیں، لیکن ان تمام چیزوں کے اوپر غبار کی ایک ہلکی سی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی نیلا کمرہ ہے جس کا ذکر اس نے اپنے پچھلے خطوں میں کیا تھا اور بتلایا تھا کہ اس نے ماجدولین کی شب خواہی کے لئے ایک کمرہ بنوایا ہے، اور اس کے لئے یہ رنگ صحت اس لئے پسند کیا ہے کہ وہ ہنشتہ کے پھولوں کا رنگ ہے جسے وہ بہت دوست رکھتی ہے۔

ماجدولین نے یہ دیکھ کر دل میں ایک جھٹکا سا محسوس کیا اور بے چین ہو گئی۔ اس نے اسٹیفن کی طرف دیکھا تو وہ سر نیچا کئے ہوئے خاموش کھڑا تھا اور آنسو بہہ کر اسکے رخساروں پر گر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کا طوفان اُٹھ اُٹھا اور اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیکر کہنے لگی: ”اے اسٹیفن تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ اسٹیفن نے آہستگی سے اپنے ہاتھ کو ماجدولین کے ہاتھوں سے کھینچ لیا اور کہنے لگا: ”کچھ نہیں! مجھے میرے بھائی اوجہین کی یاد نے اس وقت بچپن کو دیا تھا۔“ یہ کہہ کر اس نے اُسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا، چنانچہ وہ دونوں اوپر سے نیچے اتر آئے اور اپنی پہلی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔

ماجدولین کہنے لگی: ”اے اسٹیفن تم اپنے حال پر رحم کرو، خدا کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، اور گئی ہوئی چیز کو واپس نہیں لاسکتا، اور پھر تمہارا بھائی تو بڑی عزت و احترام کی موت مرا ہے، بہت کم لوگ ایسی موت مرتے ہیں اس لئے تمہارا صبر بھی اسی قدر بلند ہونا چاہئے۔“

یہ سکر وہ اسکی طرف دیکھنے لگا اور بولا: ”میں اپنی گزشتہ زندگی کے ہر دور کو بھول سکتا ہوں، لیکن یہ میری طاقت سے باہر ہے کہ میں اس زمانہ کو بھول جاؤں۔ جو ہم دونوں اپنے ماں باپ اور ان کی رحمت و شفقت سے دور جوتیج کے ایک مدرسہ میں گزارا تھا۔ ہماری والدہ تو اپنی قبر میں ابدی نیند سو رہی تھیں اور ہمارے سخت دل باپ کو ہماری کچھ پروا نہ تھی، ہم پھٹا پڑا اپنپتے تھے، بڑا بسا کھاتے تھے، ہماری جوتیوں میں پیوند ہی پیوند ہوتے تھے، اور ہماری ٹوپوں میں سوراخ ہی سوراخ نظر آتے تھے اور ان کے سامنے ہم اپنی تباہ حالی کا کوئی صحیح عذر بھی پیش نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ اگر ہم ایسا کرتے تو باپ کی سوائی ہوتی اور یہ ہمیں پسند نہ تھا۔ خود ہمارے مدرسہ کے طلبہ کا طرز عمل بھی ہمارے ساتھ مختلف تھا، کچھ تو ہمیشہ ہمارے ساتھ سفر استہرا سے پیش آتے اور کچھ نیک دل بھی تھے جو ہماری حالت پر ترس کھاتے، لیکن ہمدرد کے آنسو بھی بیرحم کے تبسم سے کچھ کم نہیں ہوتے، دونوں زخم پر نمک چھڑکتے ہیں، ہمارے لئے ہر طرح مصیبت ہی مصیبت تھی، بسا اوقات ایسا ہوا کہ کوئی بڑا آدمی ہمارے کسی استاد کی ملاقات کو آیا اور ہمارے استاد نے ہمیں کلاس کے کسی اندھیرے حصے میں چلے جانے کا حکم دیدیا تاکہ اس جہان کے سامنے ان کی بسکی نہ ہو، اور جب وہ آنے والا شخص چلا گیا تو ہم پھر اپنی اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ ہمیں اس طرز عمل سے جس قدر رنج پہنچتا تھا اسے خدا کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لڑکوں کا قاعدہ تھا کہ وہ سب کے سب اتوار کے دن اپنے استادوں کے ہمراہ جنگلوں بیا بانوں، دریا کے کناروں یا پہاڑوں کی وادیوں میں عمدہ عمدہ لباس پہن کر سیر و تفریح کے لئے جایا کرتے تھے، لیکن ہم نہیں جاسکتے تھے اور جب ہم تنہا رہ جاتے، تو میں تو رونے پٹنے لگتا تھا اور اوقین کھیلنے کو دینے میں مصروف ہو جاتا، یہاں تک کہ میری طبیعت ٹھہر جاتی، آنسو خشک ہو جاتے اور مجبور ہو کر اس کا ساتھ دینے لگتا۔ میں ایک مہربان ماں کی طرح اس سے محبت کرتا تھا اور کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اسے روتے یا تکلیف اٹھاتے دیکھوں۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر میں اس کے رخسار پر ہوتا ہوا ایک آنسو بھی دیکھ لیا تو غم و اندوہ سے ہلاک ہو جاؤں گا اور بسا اوقات کھانے کے وقت جب میں دیکھتا کہ کھانا تھوڑا ہے تو میں بیچارہ بن جاتا یا عدم اشتہا کا عذر کر دیتا، تاکہ میرے حصے کا کھانا بھی وہ خود ہی کھالے اور میں بھوک کی کمزوری اُسکے چہرے پر نہ دیکھ سکوں، بسا اوقات ٹھنڈی برف سی راتوں میں اس خیال سے کہ کہیں اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے میں اپنی رضائی بھی اُسی کو اڑھا دیتا اور اسے خبر بھی نہ ہوتی یہاں تک کہ جب صبح کو اس کی آنکھ کھلتی اور مجھے اپنے برابر بغیر رضائی کے سوتا ہوا دیکھتا تو مجھے اپنے سینے سے چٹا لیتا۔

غرض ہم اسی طرح رہتے رہے، یہاں تک کہ ایک دن ایڈورڈ بھی جو ہماری طرح مصیبتوں کا مارا ہوا تھا ہم سے آ ملا، اور ہم تینوں ملکر ان تگابنوں کو برداشت کرتے رہے لیکن زمانہ کے ہیرحم ہاتھوں نے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ اتنا کہ ہمارا اسکی آواز بھرانے لگی اور دیر تک سر جھکائے ہوئے بیٹھا رہا۔ جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو اسکی دونوں آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئی تھیں، اس نے ماجدولین پر ایک اشک آلود نگاہ ڈالی اور بولا: ”اے ماجدولین، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس بھائی کے ساتھ جسے میں اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا کیا سلوک کیا؟“ کہنے لگی ”نہیں مجھے

نہیں معلوم۔ کہنے لگا: ”آہ، میں ہی تو اسے قتل کیا ہے۔“ ماجدولین یہ سنکر زرد پڑ گئی اور کہنے لگی: ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کیا کر رہو؟“ اس نے کہا کہ: ”اوجین نے میدان جنگ سے لکھا تھا کہ اس کی زین پرانی ہو گئی ہے اور اسے ایک نئی زین خریدنے کے لئے بیس فرانک کی ضرورت ہے، اس وقت یہ رقم میرے پاس موجود تھی اور میں اسے دے سکتا تھا، لیکن میں نے بخل سے کام لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عین عالم قتال میں اس کی زین کا تسمہ ٹوٹ گیا اور وہ گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر گر گیا، گھوڑوں کی ٹاپوں نے اسے روند ڈالا اور وہ مر گیا۔“

یہ سنکر ماجدولین کی آنکھوں میں آنسو ڈھبڈھب آئے اور رونے لگی۔ اسٹیفن نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور کہا: ”تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس رقم کے دینے سے کیوں انکار کر دیا؟“ کہنے لگی: ”نہیں مجھے نہیں معلوم۔“ کہنے لگا: ”صرف اس لئے کہ اس رقم کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہ تھا، اور میں حیران تھا کہ یہ رقم میں اسے بھیج دوں یا اس سفر میں خرچ کروں جو تمہیں دیکھنے کے لئے میں کرنے والا تھا۔ آخر میں نے اسکی زندگی پر تمہارے دیدار کو ترجیح دی۔“

ماجدولین نے یہ سنکر اپنا سر جھکا لیا، اور شرم و حیا سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا، اسٹیفن سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا: ”اور کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس سفر میں میرے اوپر کیا گزری؟“ ماجدولین نے کوئی جواب نہ دیا اور بت کی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ کہنے لگا: ”میں تمہیں دیکھنے کے لئے تاشا گاہ میں پہنچا، لیکن تم وہاں موجود نہ تھیں میں بہت دیر تک تمہارا انتظار کرتا رہا لیکن تم پھر بھی نہ آئیں، مجھے تمہارے نہ آنے کا سخت صدمہ ہوا، اور وہاں سے نکل کر سوزان کے گھر کی طرف چل دیا، تاکہ معلوم ہو کہ تم کون کون سے جگہ گئے ہو؟ وہاں پہنچ کر ایک اجتماع دیکھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی سہیلی کی شادی ہے۔ تم سے استفادہ قریب ہو جانے کے بعد دل کسی طرح نہ مانا کہ تمہیں دیکھنے بغیر لوٹ جاؤں، گویا ایک ہی نظر سہی، پھر چونکہ اُس بزم خاص تک میرا یوں پہنچ جانا ناممکن تھا اس لئے میں جا کر نوکروں میں شامل ہو گیا، کیونکہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے ملتے جلتے تھے، اور اس تدبیر سے میں محل کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ایوانِ رقص کے دروازے تک پہنچ گیا۔ جب میں نے دروازے کے شیشوں میں سے اندر کی طرف جھانکا، تو تمہیں ایڈورڈ کے ساتھ ناپتے ہوئے دیکھا۔ اس روز تم اپنی نئی زندگی کا افتتاح کر رہی تھیں۔ میں یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً دروازہ بڑے زور سے کھلا اور اندر سے کوئی مہمان باہر آیا۔ اس نے مجھے کھڑا ہوا دیکھ کر کسی کام کا حکم دیا، جسے میں اچھی طرح سے پورا نہیں کر سکا اور اس نے طیش میں آ کر میرے منہ پر ایک کوڑا اس زور سے مارا کہ اب تک میرے چہرے پر اس کا نشان باقی ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اپنے رخسار پر رکھ دیا، گویا ابھی ابھی اس کے چہرے پر یہ کوڑا پڑا ہو اور زور زور سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اور ماجدولین کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا، ابھی وہ کمرے کے دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ ماجدولین بھی اس کے پیچھے پیچھے آگئی اور روتے ہوئے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کی چادر پکڑ کر کہنے لگی: ”اے اسٹیفن، کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟“

اسٹیفن نے اپنی چادر کو کھینچ لیا اور کہنے لگا ”آپ اپنے شوہر کے کمرے میں تشریف لیجائیے! وہ بیمار ہے اور ممکن ہے اسے آپ کی ضرورت ہو۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

اب میرے لئے اسے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تمہارے سامنے ہر بات کا اقرار کر لوں، میں اسٹیفن سے اب اس قدر محبت کرنے لگی ہوں کہ اپنی گزشتہ زندگی میں بھی اس سے اتنی محبت نہیں کی تھی۔ کیونکہ اب میری یہ محبت امید و تمنا کی آمیزش سے پاک ہے۔
 نہیں! بلکہ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ میں اس کے خیال سے ایک دن کے لئے بھی غافل نہیں ہونی تھی اور نہ اس کی یاد کبھی میرے دل سے محو ہونی تھی۔ میں اس وقت اپنے آپ کو دھوکہ دے رہی تھی، جب میں نے یہ خیال کیا تھا کہ میں اس کے بغیر زندہ رہ سکتی ہوں یا اس کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں۔

وہ مجھ سے اب تک دیوانہ وار محبت کرتا ہے اور گزرے ہوئے زمانہ کو اس طرح یاد کرتا ہے گویا وہ اس وقت بھی اُس کی آنکھوں کے سامنے ہے، میں اس کی اس حالت سے بے خبر تھی اور بظاہر اس کی طبیعت پر اس کا کوئی اثر نہیں دیکھتی تھی۔ لیکن چند ہی روز کی بات ہے کہ مجھے اسکے ساتھ ایک رات تنہائی میں ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا، تو دبی ہوئی پہنگاریاں بھرناک ٹھٹھیں اور اس کے سوتے ہوئے جذبات نے ایک طوفانی شکل اختیار کر لی۔ وہ رو دیا، اس وقت میں سمجھی کہ وہ مجھے بھولا نہیں ہے بلکہ اپنے قلبی کیفیات اور غموں کو مجھ سے چھپائے ہوئے ہے، مجھے سخت صدمہ ہوا اور اسے روتا دیکھ کر میں خود بھی رونے لگی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ مجھ پر اس کے خلوص و محبت کے اس شریف جذبہ کا کتنا اثر ہوا کہ وہ اس عورت پر اب بھی جان دیتا ہے جس نے اس کے ساتھ اتنی سخت بیوفائی کی تھی۔

اس نے اس وقت تک شادی کا خیال بھی نہیں کیا ہے، اور نہ اس نے اپنے مکان کی بالائی منزل کو جو اسے میرے رہنے کے لئے ہنوائی تھی، ایک رات کے علاوہ کبھی کھولا ہے۔ شادی کا کمرہ بھی بدستور اپنی حالت پر ہے اور گر دو غبار کی ایک تہ اس کے پہنگ، اس کی کرسیوں اور اس کے پردوں پر چڑھی ہوئی ہے، اس کمرے کو دیکھ کر میری وہی حالت ہوئی جو کسی پرانی قبر کو دیکھ کر ہوتی ہے۔

اے سوزان، میں ہر طرح سے نقصان میں رہی، وہ دولت بھی مجھ سے رخصت ہوئی جس کے عوض میں نے اپنی خوشنصیبی کو بیچا تھا اور وہ انسان بھی مجھ سے چھٹ گیا، جس کے سوا میں کسی دوسرے سے محبت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ ان تمام مصائب و آلام کے بعد دنیا میں میرے لئے کیا ہے؟

میرا جوڑ جوڑ کانپ رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ عذاب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

مصیبت کا زبردست پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ ایڈورڈ مجھے چھوڑ کر کہیں چلا گیا لیکن کہاں گیا، مجھے نہیں معلوم۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بھرگ سے جہان پر سوار ہو کر امریکہ چلا گیا ہے۔

خدا بھلا کرے اسٹیفن کا جنے مصائب نازل ہونے کے بعد اسکے حالات کو ایک حد تک درست کیا اور اسکی امداد آغا میں وہی سب کچھ کیا جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے لئے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ابھی اپنی اس لغزش سے پوری طرح سنبھلا بھی نہ تھا کہ اپنی پہلی عادت کی طرف لوٹ گیا اور اندھا دھند پاکلوں کی طرح جوئے میں کود پڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں دو ہزار فرانک سے زیادہ کا مقروض ہو گیا اور مجبوراً اسے دیوالیہ ہو جانا پڑا۔ چنانچہ میں نے اپنے تمام جواہرات اور قیمتی کپڑے فروخت کر دئے اس امید پر کہ شاید میں اسے اس مصیبت سے بچا سکوں لیکن میں کچھ نہ کر سکی۔ پھر ایک روز صبح کو میں اس کی خوابگاہ میں گئی تو وہ وہاں موجود نہ تھا۔ — نوکروں سے دریافت کیا، تو ایک نوکر نے مجھے بتلایا کہ اسے سورج نکلنے سے پہلے ہی دروازے سے نکلے ہوئے دیکھا تھا اور اسکا ہاتھ میں اس کا سفری سوٹ کیس تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں بتلا سکتا کہ کدھر گیا ہے۔

اسکے پسند مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اپنے سب سے بڑے قرض خواہ کے ہاتھ اپنا مکان فروخت کر دیا ہے اور ادائے قرض کے بعد جو بچا اسے لیکر چلا گیا اور باقی قرض خواہوں کو یوں ہی ان کے حال پر چھوڑ گیا۔ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ اس نامناسب حرکت کے بعد جسکی کوئی شریف انسان جرات نہیں کر سکتا وہ کبھی واپس نہ ہوگا۔

اب میرے لئے اسکے علاوہ کوئی صورت نہ تھی کہ اس کے بقیہ قرض کو، اسکی عزت و احترام کے خیال سے خود ادا کروں۔ چنانچہ میں نے اپنا وہ گھر بھی فروخت کر دیا جو مجھے میرے والد کی طرف سے ترکہ میں ملا تھا، اور اسکے متصل جو زمین تھی وہ بھی بیچی۔ میں نے ہر جگہ دریافت کیا اور جہاں جہاں میں سمجھتی تھی کہ اس کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے، میں اسے تلاش کرنے کے لئے خود گئی۔ لیکن مجھے اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جبے اب تک میں کس قدر آنسو بہا چکی ہوں اور اس مصیبت کے نازل ہونے کے بعد سے اب تک کیسی کیسی سختیاں اٹھا چکی ہوں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ کل ہی اس گھر کے نئے مالک نے میرے نام ایک خط بھیجا ہے اور گھر کے خالی کر دینے کا مطالبہ کیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور کہاں جاؤں، نہ کوئی عزیز ہے جس کے گھر جا کر پڑھوں اور نہ کوئی دوست ہے جس سے مدد کی امید کروں، اور نہ اتنی قدرت کہ اس زندگی میں جو کچھ خدا کی طرف سے میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسے برداشت کر سکوں۔

اسٹیفن نے بھی کو بلائیں آنا چھوڑ دیا، اب میں اسے نہیں دیکھتی اور نہ اس کی کوئی خبر سنتی ہوں۔ معلوم نہیں وہ کتنے آتے کیوں رک گیا بار بار میرے دل میں آیا کہ خود کشی کر لوں مگر پھر اس خیال سے رک گئی کہ اگر میں ایسا کیا تو میرے ساتھ ایک بیگناہ ننھی سی جان کا بھی خون ہوگا لے سوزان تم یہاں میرے پاس چلی آؤ یا مجھے اجازت دو کہ میں یہی تمہارے پاس آ جاؤں لیکن نہیں!

خود تمہیں کو آنا پڑیگا کیونکہ میں تو آج کل اتنی دور کا سفر نہیں کر سکتی جواب اس بوجھ سے سبکدوش ہونے کا زمانہ بہت قریب پہنچا ہے۔
میں کل ہی سے تمہارے خط کا انتظار شروع کر دوں گی، کیونکہ تمہارے سوا میرا اس دنیا میں کون ہو جس پر بھروسہ کر سکوں۔

ماجدولین کا خط سوزان کے نام

میں کل تمہارے خط کا بڑی سچینی سے انتظار کرتی رہی، لیکن نہیں آیا۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کیوں نہیں آیا۔ کیا تم بیمار ہو گئیں؟
یا کوئی ایسا ضروری کام پیش آ گیا جو مجھے خط لکھنے کی فرصت بھی نہ مل سکی۔ بہر حال کچھ بھی ہو تم مجھے جلد خط لکھو، کیونکہ میری مصیبتیں
اب اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ لوگوں نے میری پاس آنا جانا بھی بند کر دیا ہے، اور اب نہ میری کوئی سہیلی ہی نظر آتی ہے اور نہ
ایڈورڈ کے دوستوں میں سے کوئی دوست دکھائی دیتا ہے۔

زندگی میری آنکھوں میں اندھیر ہے، اور آنکھیں روتے روتے خشک ہو چکی ہیں۔ اور خود کشی کا خیال آج ہمیشہ سے زیادہ
مجھ کو ستا رہا ہے۔ اے سوزان تم میرے معاملہ میں غور کرو، اور مجھے لکھ دو کہ تم میرے پاس آ رہی ہو، یا خود مجھے اپنے پاس چلے
آنے کی اجازت دو۔ اگر کل بھی تمہارا خط نہیں آیا تو میں نہیں کہہ سکتی کہ پرسوں میرا کیا حشر ہو۔

فرڈریک کا خط ماجدولین کے نام

یہ خط میں تمہیں اس حالت میں لکھ رہا ہوں کہ سوزان اپنی علالت کے نہایت ہی نازک دور سے گزر رہی ہے۔ طبیعت مجھے ہر ایت
کہہ دی ہے کہ میں اسے ہر اس چیز سے بچیر رکھوں جو اسکی طبیعت پر رنج یا خوشی کا کوئی اثر پیدا کر سکے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے ابتک اسے
ہر بات سے بچیر رکھا، یہاں تک کہ ان خطوں کی بھی اطلاع نہیں دی جو اس زمانہ میں اسکی سہیلیوں کی طرف سے اسکے نام آتے رہے ہیں
مجھے معاف کرنا کل شام میں تمہارا آخری خط پھاڑ کر پڑھ لیا۔ اس وقت مجھے تمہاری بعض تکلیفوں کا حال معلوم کر کے سخت صدمہ ہوا
اور میں نے ارادہ کیا کہ سوزان کو یا تو تمہارے خطوں کی اطلاع کر دوں، یا اسے خبر کئے بغیر ہی تمہیں لکھ دوں کہ تم ہمارے پاس چلی آؤ،
لیکن پھر اس ڈر سے رک گیا کہ کہیں تمہارے مصائب کا غم یا تمہاری ملاقات کی خوشی اسے ہلاک نہ کر دے۔ لہذا میں تم سے استدعا
کرتا ہوں کہ ابھی تم وہیں رہ کر چند ہفتے انتظار کرو یہاں تک کہ میں خود اسکے لئے کوئی تدبیر نکالوں، یا سوزان کی علالت میں تخفیف ہو جائے۔

مکافات عمل

ماجدولین نے اس خط کو پڑھا اور سمجھ گئی کہ سوزان نہ تو بیمار ہے اور نہ اتنی نزار کہ اسکے خطوں کو پڑھ بھی نہ سکے، جیسا کہ اسکے
شوہر نے لکھا ہے بلکہ وہ اسے ”نانا چاہتی ہے۔ اسی اثنا میں اس کی ایک سہیلی جو سوزان کی بھی دوست تھی، اسکے پاس آئی اور
ماجدولین نے اس سے پوچھا کہ اسکے پاس سوزان کا آخری خط کب آیا تھا؟ وہ کہنے لگی کہ ”کل ہی تو اس کا خط آیا ہے جس میں اسنے

مجھے میری سالگرہ پر مبارکباد لکھی ہے اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ میں یہ موسم بہاراں کے ساتھ برتن میں گزاروں۔ چنانچہ میں نے اس کی اس مبارکباد کا شکریہ ادا کیا اور اپنے نہ آسکنے کی معذرت لکھ بھیجی ہے۔“

یہ سنکر ماجدولین چپ ہو گئی اور جب وہ لڑکی چلی گئی تو دل ہی دل میں کہنے لگی: ”اس کے اس فعل پر اظہارِ اندازِ ضعیف بیکار ہے۔ خدا کی مرضی یہی ہے کہ مجھے میری بیوفائی کا بدلہ بیوفائی، اور ناشکری کا بدلہ ناشکری سے دیا جائے۔“

آخری آنسو

ایک روز صبح کو جب قصبہ ولفاخ کے رہنے والے بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہوا کہ وہی لڑکی جو کل اُن سے اس حال میں جدا ہوئی تھی کہ اس کا خوبصورت چہرہ تمام لڑکیوں سے زیادہ تروتازہ اور اس کا حال ان سب سے زیادہ سازگار تھا، آج انکی طرف اس حال میں لوٹی ہے کہ اس کا چہرہ کھلا کر زرد پڑ گیا ہے، حالت تباہ اور رنگ فق ہے۔ چہتے پرانے کپڑے بدن سے پٹے ہوئے ہیں، رفا سے بیچارگی اور ذلت کے آثار نمایاں ہیں، اور جب چلتی ہے تو گرائی سے اس کے قدم مشکل سے اُٹھتے ہیں۔ لوگ اسے دیکھ کر انگشت بردن رہ گئے۔ وہ اسی طرح اپنے گرد و پیش سے بخیر چلی جا رہی تھی۔ کہ وہ اس گھر کے سامنے سے گزری جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن گزارے تھے، اور جہاں ایک مدت تک ایک پاکیزہ اور شریف محبت نے اس کی زندگی کو مسرور بنا رکھا تھا، اس کا دل رنج و غم سے دھڑکنے لگا اور تھوڑی دیر کے لئے وہ اس کے سامنے کھڑی ہو کر اسے دیکھتی رہی، اس نے دیکھا کہ خاموشی ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ اب تک خالی ہی پڑا ہے، چونکہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے اس کے دل نے اندر داخل ہونے کا مشورہ دیا اور وہ اندر چلی گئی۔ ابھی چند قدم گئی ہوگی کہ اس نے باغبان اور اس کی بیوی کو ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اور کھانا پکاتے ہوئے دیکھا، وہ قدم بڑھاتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔ انھوں نے اسے دیکھا اور جب کچھ دیر بعد پہچان لیا تو گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور قریب پہنچ کر سلام کیا۔ باغبان نے اسے غم آلود نگاہ سے دیکھا اور کہنے لگا: ”یہ آپ کا کیا حال ہے؟“ اس نے اپنا مختصر قصہ بیان کیا اور کہنے لگی: ”میں اس گھر کی بالائی منزل کو ایک یا دو مہینہ کے لئے کرایہ پر لینا چاہتی ہوں، کیا تم اس گھر کے مالک سے میرے لئے اس مدت کی اجازت لے سکتے ہو؟“ باغبان یہ سن کر رونے لگا اور ایک گھنٹہ کے اندر ہی اندر اس نے اس کے لئے اس کمرے کا انتظام کر دیا جس کی خواہش اس نے ظاہر کی تھی۔ چنانچہ وہ اوپر چڑھ گئی اور اسے بدستور اسی حالت پر پایا۔

اس نے اس دن کو یاد کیا جب وہ اسٹیفن کے چلے جانے کے بعد اوپر آئی تھی اور اس کی جدائی کے غم میں اس کے فرش کو اپنے آنسوؤں سے بھگوایا تھا، وہ پچھلے دنوں کو یاد کرنے لگی اور رونے لگی، کیونکہ زمانہ اپنے ترکش کے سارے تیر اس پر برسا چکا تھا، اور زندگی کے تمام راستے اس پر بند ہو چکے تھے۔

اس کا شوہر اسے چھوڑ چکا تھا، اس کی سہیلی اس سے خیانت کر چکی تھی اور جو اس کا محبوب تھا وہ اس سے بگڑ چکا تھا اور وہ دولت جس کے لئے اس نے اپنی وفاداری کو بیچا تھا اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی۔ اب اس کے لئے مرجانا بھی مشکل تھا،

کیونکہ اپنے بچے کو وہ اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کر سکتی تھی اور زندہ رہنا بھی آسان نہ تھا کیونکہ اسباب زندگی میں سے اسکے پاس کچھ بھی نہ تھا۔
الغرض چند روز تک وہ اسی حالت میں رہی، آخر وہ دن آ پہنچا جس کا انتظار تھا، در در بڑھنے لگے۔ ایسے نازک
وقت میں سوائے باغبان کی بیوی اور ایک دوسری بڑھیا کے جو اس کی پڑوسن تھی کوئی شخص اسکے پاس نہ تھا۔ چنانچہ
تھوڑی ہی دیر میں ایک خوبصورت لڑکی نے اس دنیا میں قدم رکھا، جسے دیکھ کر پہلے تو وہ ذرا مسکرائی، لیکن پھر اس قدر پھوٹ
پھوٹ کر روئی جیسے کوئی اپنے اکلوتے بچے کو مرتے ہوئے دیکھ کر رونے لگتا ہے۔

اسکے چند ہی روز بعد اسے یہ خبر ملی کہ ایڈورڈ نے شکاگو کے کسی ہوٹل میں ایک رات جوئے میں سب دولت ہار کر، گلے میں
پھندا لگا کر خودکشی کر لی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ بیہوش ہو گئی اور جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک بُت کی طرح خاموش تھی۔ نہ کچھ کہتی نہ سنتی
بلکہ اس وقت تک اپنی بچی کو دودھ بھی نہ پلاتی جب تک اس کے رونے سے مجبور نہ ہو جاتی، تو وہ صبح کو کھانا مانگتی نہ شام
کو اور اگر کوئی اس کے سامنے لے بھی آتا تو ایک دو لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیتی تھی۔ گھنٹوں گزرتے جاتے اور وہ آسمان کی طرف دیکھتی
رہتی اور جب اس کی طبیعت ذرا ٹھکانے ہوتی تو مالی سے بس اس قدر پوچھ لیتی تھی کہ کیا اس کے نام کوں خط آیا تھا، یا اس کے
معلق کسی نے کچھ پوچھا تھا؟ اور جب وہ کہتا کہ نہیں، تو پھر اپنی پہلی سی خاموشی اور محویت کی طرف لوٹ جاتی تھی۔

۹۳

اس روز رات کو ماجدولین سے گفتگو کرنے کے بعد اسٹیفن کے زخم پھر برے ہو گئے اور اسکی شوریدگی نئے سرے سے ابھر آئی،
چنانچہ اس نے ایک طویل سفر اختیار کیا، موسیقی کے بڑے بڑے ماہروں اور مشہور ڈرامہ لکھنے والوں سے ملاقاتیں کیں، ان لوگوں نے
بھی اسکے اعزاز میں بڑے بڑے جلسے کئے اور اسکے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے۔ اس نے اپنے اس سفر میں بہت سے گیت
نظم کئے، اور پھر انھیں بڑی خوبی سے ادا کیا اور تمثیلی روایتوں اور افسانوں کے بہت سے گانوں کو اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا
اور جن جن لوگوں نے اس کے گیتوں یا سازوں کو سنا ہے متفقہ طور پر یہی کہا کہ تہو فن کے بعد سے آج تک جرمنی کے آسمان پر
ایسا سورج کبھی نہیں چمکا۔

وہ اپنی اس سیاحت میں کئی مہینے مصروف رہا، یہاں تک کہ ایک روز اسکے پاس کو بلائس سے اسکے ایک دوست کا
خط پہنچا جس میں ایڈورڈ کے امریکہ چلے جانے اور وہاں پہنچ کر اسکے خودکشی کر لینے کی اطلاع تھی، وہ اس خبر کو پڑھ کر بہت غمگین
ہوا اور سوچنے لگا کہ ————— معلوم نہیں اس مصیبت کے نازل ہونے کے بعد ماجدولین پر کیا گزری۔ چنانچہ وہ
کو بلائس کے لئے روانہ ہو گیا، اور وہاں صرف ایک رات ٹھہر کر دوسرے دن صبح کو جوتنخ کے لئے چل دیا اور یہاں پہنچ کر اسے معلوم
ہوا کہ وہ اپنی بچی کے ساتھ اپنے پرانے گھر کی بالائی منزل میں بدبختی و بد نصیبی کے دن گزار رہی ہے۔

اس وقت وہ اپنے غم و غصہ کو بھول گیا اور صبح کے وقت اپنی گاڑی پر سوار ہو کر دلفاخ کے لئے روانہ ہو گیا اور پہرے کے قریب

وہاں پہونچ کر سیدھا موٹر کے گھر کی طرف گیا اور گاڑی سے اتر کر مالی کے پاس آیا اور ماجد ولین کے متعلق دریافت کرتے لگا:۔
 ”اے اس کا سارا حال مختصراً بیان کیا اور کہا کہ غم اس پر اس درجہ مسلط ہے کہ قریب ہے اسے ہلاک کر دے۔“ اسٹیفن نے کہا: ”تم جا کر اسے میرے آنے کی خبر کر دو۔“ وہ کہنے لگا کہ ”وہ اپنا اکثر وقت اُسی کرسی پر بیٹھ کر گزارتی ہے جس پر تم دونوں کی وقت بیٹھا کرتے تھے اور میں اسے اس وقت بھی وہیں بیٹھا ہوا چھوڑ آیا ہوں۔“ اسٹیفن قدم بڑھا کر اس کرسی تک پہونچ گیا لیکن ماجد ولین کو اس کے آنے کی اس وقت تک خبر نہیں ہوئی جب تک کہ وہ اس کے سامنے نہیں پہونچ گیا۔

وہ اسے دیکھتے ہی کانپنے لگی، اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے اس کا تنفس بے ترتیب ہو گیا اور اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہ سکی اسٹیفن اس کے برابر بیٹھ گیا اور اس کی مصیبت پر اسے ملقین صبر کرنے لگا اور جب رفتہ رفتہ اس کا دل ٹھہرا تو کہنے لگی:۔
 ”اے اسٹیفن اگر تم مجھے معاف کر دو تو میں ان مصائب و آلام کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر سکتی ہوں۔“

اسٹیفن دیر تک سر جھبکائے بیٹھا رہا پھر اسے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا: ”لیکن معاف کر دینا تو میری قدرت سے باہر ہے۔“
 یہ سنکر موت کی زردی اس کے چہرے پر چھا گئی اور اسے ایسا معلوم ہوا تو یا اس کی روح اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ ہو کر ٹپک رہی ہے۔ اس نے کہا: ”اے اسٹیفن کیا یہ جگہ جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں، تمہیں ہماری پچھلی باتوں میں سے کسی چیز کو یاد نہیں دلاتی؟“
 کہنے لگا: ”ہاں، بس اس چیز کی یاد دلاتی ہے، جسے میری تمام آرزوں اور تمناؤں کو برباد اور دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا کیا میں وہ وقت بھول سکتا ہوں، جب آج سے پانچ برس پہلے تم اسی جگہ مجھے ترپتا ہوا چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور میری آنکھوں کے سامنے تم اپنے منگیترا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے کی طرف کو لے گئی تھیں، بغیر کچھ سوچے ہوئے کہ مجھ غریب پر کیا گزری، آیا میں زندہ بھی رہا یا نہیں۔ پھر اس کے بعد میں تم کو کیسے کیسے درد بھرے خط لکھے لیکن تم نے ان سب کو پس پشت ڈال دیا اور پھر ایک مدت کے بعد تم نے مجھے دو حرف لکھے بھی تو وہ جنہوں نے میری امید کا آخری دھاکہ بھی توڑ دیا۔“

مجھے اس وقت تک یاد ہے کہ تم نے اپنے اس آخری خط میں مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اب ہم گزشتہ زمانہ کی یاد کو بھول جائیں اور اور محبت کی جگہ دوستی کا رشتہ ہمارے درمیان قائم ہو جائے، پس اب میں اُسی دوستی کے نام پر تمہارے پاس آیا ہوں اور میں تمہاری ہر مدد کے لئے طیار ہوں۔“ ماجد ولین نے روتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگی: ”اے اسٹیفن کیا میرے لئے تمہارے دل میں اب کوئی جگہ باقی نہیں؟“ یہ سنکر اسٹیفن کا دل ہل گیا اور یہ دیکھ کر کہ اسکے دونوں ہاتھ بڑی عاجزی سے اس کی طرف پھیلے ہوئے ہیں، دل نے تقاضہ کیا کہ وہ اسے اپنی آغوش میں لے لے اور اسے اپنے سینہ سے لگائے، لیکن پھر فوراً ہی اس کی شادی کی وہ رات یاد آگئی جب وہ اسکے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور وہ اپنے شوہر کی آغوش میں پڑی ہوئی اس سے محبت کی باتیں کر رہی تھی، اس خیال کے آتے ہی غیرت و خود داری کا شعلہ پھر اسکے دل میں بھڑک اُٹھا۔

ماجدولین اسکے دونوں ہونٹوں کی طرف برابر اس انداز سے دیکھتی رہی گویا ایک مجرم اپنے فیصلہ کے لئے قاضی کی جنبش لب کا منتظر ہے۔ وہ اس ایک لفظ کے انتظار میں تھی جو یا تو اسے خوش نصیبی کے اس آسمان پر پہونچا دے گا جس کے اوپر کوئی دوسرا

آسمان نہیں ہے، یا بد قسمتی کے اس گڑھے میں گر ادے گا، جس سے نیچے کوئی زمیں نہیں ہے۔

اس نے اسٹیفن کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسکے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے لگایا اور پھر اپنی آنکھوں پر رکھ کر رونے لگی۔ اس وقت وہ تمام باتوں کو بھول گیا۔ وہ اس پر جھک گیا اور جب ان دونوں کے ہونٹ ملنے کے قریب ہوئے تو بے وقوفی بولی کہ: ”تم تو میری زندگی ہو اور تمہارے بغیر میری زندگی ناممکن ہے۔“ اور یہ بالکل وہی الفاظ تھے جو اس نے آج سے پانچ سال پہلے جلد عروسی کے اندر اپنے شوہر سے کہتے ہوئے سنے تھے۔ جون ہی یہ آواز اسکے کانوں میں پہنچی وہ دیوانوں کی طرح کود کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور ایک ایسے جھٹکے کے ساتھ اسے اپنے پاس سے ہٹا دیا کہ وہ کرسی سے نیچے گر پڑی اور گرجتی ہوئی آواز میں کہنے لگا ”نہیں میرے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں۔“ اس کے بعد وہ اسے اسی جگہ چھوڑ کر سر جھکائے ہوئے چلا آیا اور جب باغ کے دروازے کے قریب پہنچا تو باغبان کو ایک سر بہ ہر لفاظہ دیکر بولا کہ: ”اسے ماجد دین کو دیدینا“ اور اپنی گاڑی پر سوار ہو کر لوٹ آیا۔ باغبان لفاظہ لیکر پہنچا تو وہ کرسی کے نیچے گر پڑی ہوئی تھی اور سکرات موت کی سی سکایت میں مبتلا تھی۔ وہ اسکے پاس بیٹھ گیا اور جب تک کہ اسکے ہوش و حواس درست نہ ہو گئے وہیں ٹھہرا رہا۔ اسکے بعد اس نے وہ لفاظہ اسے دیدیا اور وہ خاموشی سے اسے لیکر اوپر چڑھ گئی اس وقت اسکے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے وہ تمام رات چراغ کے پاس بیٹھ کر گزار دی۔ کبھی لکھتی تھی اور کبھی روتی تھی اور جب ان باتوں سے ذرا فرصت ملتی تو وہ اپنی بچی کو اپنی چھاتی سے لگا لیتی تھی یہاں تک کہ صبح کا ترکا نمودار ہو گیا۔

مصیبت

ابھی سورج بلند نہ ہوا تھا کہ فریزر اپنی بیوی سے بولا: ”دیکھو مجھے تو ابھی نہیں ٹھہرنا ہے، کیونکہ اسٹیفن کے لئے میں ایک خاص قسم کی مچھلی پکڑنا چاہتا ہوں، جسکے متعلق کل ہی اس نے مجھے ہدایت کر دی تھی۔ تم اسکے پاس چلی جاؤ اور اسکے اٹھنے کا انتظار کرو، لیکن چھوٹے بچے کے علاوہ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لینا۔ آج وہ بہت دیر سے اٹھیکا، کیونکہ کل وہ اپنے دفناخ کے سفر سے بہت غمگین و افسردہ لوٹا ہے۔ اور ہاں اس کا خیال رکھنا کہ تمہارے بچے کے رونے کی آواز اسے پریشان نہ کر دے۔ میں بھی تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچتا ہوں۔“

پنابچہ وہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھ پر اٹھائے ہوئے چل دی اور جب باغ کے دروازے کے قریب پہنچی تو ایک نقاب پوش عورت پھٹے پڑانے میں کپڑے پہنے، تیزی کے ساتھ اسکے قریب سے ہو کر نکل گئی، اس نے کچھ خیال نہ کیا، لیکن جون ہی اس نے دروازے میں قدم رکھا اس نے دیکھا کہ دروازے کے سامنے ایک چھوٹی سی گٹھری بڑی ہوئی ہے اور کوئی چیز اس میں ہل رہی ہے جب وہ اسکے قریب پہنچی تو دیکھا کہ ایک دودھ پیتا بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا ہے اور بڑی ایک چینی اپنے منہ میں لئے ہوئے دوسرے ہاتھ سے دیکھ کر اسے وہ عورت یاد آگئی جو ابھی ابھی اسکے پاس سے تیزی کے ساتھ نکل گئی تھی اور اپنے دل میں کہنے لگی: ”ہونہ ہو“ کا بچہ ہے اور وہ اپنے گناہ کو چھپانے اور ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے اسکو یہاں پھینک گئی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے مالی کو

آواز دی جو باغ میں کسی دوسری طرف اپنے کاموں میں مشغول تھا۔ چنانچہ اسکے آنے پر وہ اُس گٹھری کے متعلق اس سے پوچھنے لگی، مانی خود بھی اسے دیکھ کر گھبرا گیا اور اس سے اپنی ناواقفیت ظاہر کرنے لگا۔ لیکن اسنے یہی مناسب سمجھا کہ اسٹیفن کی رائے معلوم کے بغیر کچھ نہ کرے۔ چنانچہ وہ اس کی خواہگاہ کی طرف گئی اور جھانک کر اسے دیکھنے لگی، وہ اپنے بستر پر پڑا ہوا جاگ رہا تھا۔

اسٹیفن نے اسے دیکھا اور اندر بلا لیا۔ اندر جا کر کہنے لگی کہ ”میں تو سمجھتی تھی کہ آج آپ دوپہر سے پہلے نہیں اٹھیں گے“ کہنے لگا ”نہیں میں تو اب تک سویا ہی نہیں“ اسکے بعد اُس نے اُس گٹھری کا واقعہ بیان کیا، اور اس نقاب پوش عورت کا بھی ذکر کیا جسے اسنے باغ سے نکلے ہوئے دیکھا تھا یہ سنکر اسے شک ہو گیا اور وہی رات کے معمولی کپڑے پہنے ہوئے بڑی تیزی سے باہر نکل گیا اسنے دیکھا کہ اس کے پاس ہی کوئی سفید سی چیز بھی پڑی ہے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک سر بہ مہر لفافہ ہے اسنے اسے اٹھا لیا اور اسکے عنوان کو پڑھنے لگا، اس پر لکھا ہوا تھا ”ماجدولین کی طرف سے اسٹیفن کے نام“ چنانچہ بڑی تیزی سے اسنے اسے پھاڑا اور اس پر ایک اُچھلتی ہوئی نگاہ ڈالتا ہوا چلا گیا اور آخر میں موت کا لفظ لکھا ہوا دیکھا تو وہ چیخ کر جوزفین سے کہنے لگا ”وہ عورت جسکے متعلق تم کہہ رہی تھیں کہاں گئی؟“ وہ کہنے لگی اس طرف کو گئی ہے اور دریا کے راستے کی طرف اشارہ کرنے لگی۔ یہ سنکر خط اسنے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور بڑی تیزی کے ساتھ دریا کی طرف بھاگنے لگا۔ وہاں پہونچ کر اسنے دیکھا کہ دریا کے کنارے ہیکڑوں آدمی کھڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر شخص پانی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسنے دیکھا کہ ڈوبنے والی، موجوں کے تھپیڑوں سے سخت مضطرب ہے اور برابر اپنے ہاتھوں کو کنارے کی طرف بڑھا رہی ہے، تند و تیز ہوا میں ہر طرف سے چل رہی تھیں اور اس کا دوست فرتر ڈوبنے والی کو بچانے کے لئے اپنی کشتی کو اس کی طرف بڑھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

اس نے اسے دیکھا اور چیخ چیخ کہنے لگا ”اے فرتر اسے بچالے، اے میرے دوست اسے پکڑ لے، یہ ماجدولین ہے“ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اپنے بدن سے اُتارے اور پانی میں کود پڑنے کے لئے آگے بڑھا۔

لوگ یہ دیکھ کر گھبرائے کہ کہیں اسے بھی کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے، اور اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے مگر وہ ان سب کو ہٹاتا ہوا اور کھینچ کر چیرتا ہوا آگے بڑھا اور دریا میں کود پڑا اور کشتی کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔ دریا کی موجیں کبھی اسے کشتی سے قریب کر دیتی تھیں، اور کبھی بہت دور لجا کر پھینک دیتی تھیں۔ آخر اس کشاکش میں تھوڑی دیر کے بعد وہ کشتی کے قریب پہونچنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے پکڑ لیا۔ اب کشتی بھی اس مقام کے قریب پہونچ چکی تھی جہاں ماجدولین کے بال کبھی سطح آب پر تیرنے لگتے اور کبھی ڈوب جاتے۔ اس وقت جبکہ لوگوں کے دل دھڑاک رہے تھے، ایک خوفناک موج پہاڑ کی طرح اُبھری اور پھٹ کر ڈوبنے والی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ اسٹیفن گہر کر پانی میں کود پڑا، اور جس جگہ وہ ڈوبی تھی اسی جگہ خود بھی غوطہ کھانا۔ بہت دیر تک دونوں ڈوبتے اُچھلتے رہے اور پھر دونوں ڈوبنے والی کو اپنے ہاتھوں پر لئے ہوئے اُبھرنے لگے۔ دونوں میں سے کسی کو بھی خبر نہ تھی کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ یہاں تک کہ وہ دونوں پانی کو چیرتے ہوئے کنارے کی طرف بڑھے اور اسے زمین پر ٹٹا دیا۔ تمام لوگ اس پر جھک پڑے اور اسکے دل کی آوازوں کو سننے، اور تنفس کی آمد و شد کو محسوس کرنے لگے۔

اسٹیفن بھی ایک طرف کھڑا ہوا اس پر لگا ہیں جمائے ہوئے دیکھ رہا تھا، یکایک وہ چونک پڑا، اسے دیکھا کہ لوگ اسکے چاروں طرف جھکے ہوئے ہیں اور سب نے اپنے اپنے سروں سے اپنی اپنی ٹوپیاں اتار لی ہیں اور آہستہ آہستہ دھڑکی میں مصروف ہیں، یہ دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا اور سمجھ گیا کہ ماجدولین ختم ہو گئی۔

اسکے بعد سب لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اور جب وہاں کوئی نہ رہا تو اسٹیفن اپنی جگہ سے اٹھا اور ماجدولین کی لاش کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اپنے گھر لے آیا، قریب بھی ساکت و صامت پیچھے پیچھے آ رہا تھا، اور اسے لیکر گھر کی بالائی منزل پر چڑھ گیا اور اسی نیلگوں گھر سے میں لیا کر اس مسہری پر لٹا دیا جو اس کی شادی کے لئے اس نے طیارہ کرایا تھا اور خود اس مسہری کے پایوں پر جھبک گیا، اور کئی گھنٹے اسی حالت میں پڑا رہا کہ اسے جنبش ہوئی اور نہ اس کی آنکھوں میں حرکت ہوئی آخر دفن کا وقت آپہنچا اور ماجدولین کے چہرے سے چادر ہٹا کر اسے اسکی پیشانی کو چوما اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ماجدولین کا خط اسٹیفن کے نام

”اے اسٹیفن، اب میں تمہارے بعد اس روپیہ کو لیکر کیا کروں گی؟ تمہیں کھودینے اور اپنی دنیا کو تمہاری دنیا سے الگ کر لینے کے بعد یہ نامراد زندگی میرے کس کام کی؟

میری تو یہی خواہش تھی کہ میں تمہارے لئے زندہ رہتی، لیکن میرے اور میری اس خواہش کے درمیان افسوس ہی کہ تم حائل ہو گئے، اس لئے کہ تم مجھ سے ناخوش تھے اور تمہارے خیال میں تمہیں مجھ سے انتقام لینا ضروری تھا۔

اے اسٹیفن، خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں تمہارے سوا کبھی کسی سے محبت نہیں کی اور نہ تمہارے سوا کسی دوسرے کے ساتھ رکھو میرے دل کو کبھی کوئی سکون مل سکا، وہ شخص جس سے نکاح کرنے کی پاداش میں تم نے مجھ سے انتقام لینا پسند کیا کبھی اس قابل نہ ہوا کہ اس محبت کو جو مجھے تمہارے ساتھ تھی ایک ذرہ بھی کم کر سکتا، اسلئے اگر تم میری غلطیوں سے چشم پوشی کر لیتے اور اپنے علم کو میری جہالت کی پردہ پوشی کی اجازت دیتے تو تم اپنے سامنے ایک ایسی لڑکی کو دیکھتے جو اپنے جذبات و میلانات کے لحاظ سے بالکل کنواری تھی۔

محبت کا پیام ہمارے سامنے چھلک رہا تھا اور ہمارے لئے بھی مناسب تھا کہ ہم اسے ایک ایک قطرہ کر کے پیتے یہاں تک کہ اسکے آخری قطرے تک پہنچ جاتے اور پھر ہم دونوں ایک ساتھ خوشی خوشی مر جاتے، لیکن افسوس کہ یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور ہم ایسے ہو گئے کہ اگر جیسے بھی تو لطافت زندگی نہیں پائے تھے، اور اگر مریں بھی تو آرام کی فینڈ نہیں سو سکتے۔

اے اسٹیفن، تم مجھے معاف کیوں نہیں کر دیتے، حالانکہ زمانہ میرے گناہوں کی پاداش میں مجھ سے سخت انتقام لے چکا ہے، اس نے مجھ سے وہ دولت جہین لی جسے دیکھ کر میں تم سے بے غافل ہو گئی تھی، وہ شوہر مجھ سے لے لیا جس کی خاطر میں تم سے بے وفائی کی تھی اور محبت کی اس چنگاری کو جو میرے دل کی تاریکیوں کو روشن کر دیا کرتی تھی، ایک ایسی کھا جانے والی آگ

میں بدل دیا جو اس کے گوشے گوشے میں بھڑک اٹھی اور اسکی گہرائیوں تک سرایت کر گئی اور مجھ میں ایسی کوئی جگہ نہ چھوڑی جہاں تمھارا غضب و انتقام سما سکے۔ اے اسٹیفن کیا تم جانتے ہو وہ کون عورت تھی، کل جسکے پاس بیٹھے ہوئے تم ملاحت و سرزنش کر رہے تھے، اور اسکے گناہوں کو ایک ایک کر کے گناہ ہے تھے اور اسکی ذلت و خواری کے منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے؟ — وہ کچھ نہ تھی مگر ایک تباہ و برباد ہستی، جسکے احساس و شعور اور آثار حیات میں اسے ایک ایسی آنکھ کے علاوہ جو کھلی ہو اور دیکھتی نہ ہو، ایک ایسے کان کے علاوہ جو سنتا ہو مگر سمجھتا نہ ہو، اور ایک ایسے نفس کے علاوہ جو ہر چیز سے حتیٰ کہ خود اپنی ہستی سے بھی بے خبر ہو، زمانہ نے کچھ نہ چھوڑا ہو۔ یہی وہ عورت تھی جس پر تم نے ظلم کیا اور اسکی محرومی و ناتوانی پر ذرا ترس نہ کھایا اور اپنے مضبوط اور سخت ہاتھ کو اسکی طرف بڑھا کر اسے زخمی کر دیا حالانکہ وہ خود ہی زخموں سے چور چور تھی اور پھر اس بری طرح زخمی کیا کہ وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اے اسٹیفن میں تمھیں معاف کیا۔ کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں جانتی ہوں کہ تم نے مجھ پر یہ تمام مظالم صرف اس لئے گوارا کئے کہ تمھیں بھی مجھے محبت تھی۔ پس تم اپنی بخشش و مغفرت سے مجھے محروم نہ کرو اور ایک دفعہ پھر مجھے اپنے دل کی انھیں گہرائیوں میں جگہ دید و جہاں اس سے پہلے مجھے جگہ دیا کرتے تھے اور جس کی خاطر میں آج اپنی زندگی قربان کر رہی ہوں۔ لیکن اگر تمھارے مذہب میں ان کے گناہوں کا انتقام لینا ضروری ہو تو خدا کے لئے اس یتیم اور مسکین بچی سے میرے گناہوں کا انتقام نہ لینا، جس کا اس دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہر چند وہ ایک ایسی عورت کی بچی ہے جسے تمھارے ساتھ بیوفائی کی ہے تاہم وہ اس عورت کی بھی بچی ہے جسے تم سے محبت کی ہے۔ میں اس وقت اسے تمھارے فضل و کرم کی پناہ میں دیتی ہوں جب تک تم زندہ ہو وہ زندگی کی تلخیوں سے نا آشنا رہے اور تمھاری آنکھوں کے سامنے زمانہ کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اس پر نہ آئے۔ اس سے پہلے بھی تم اسکے ماں باپ پر احسانات کرتے رہے ہو، اسے اپنے سینہ سے لگا لینا، آلام حیات اور مصائب روزگار کے مقابلہ کے لئے تنہا نہ چھوڑ دینا اور جس وقت وہ اپنی زندگی کے راستے میں سب سے بڑے پتھر کو ہٹا رہی ہو، اس وقت تم اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور پھر اس بانگو بھی کبھی نہ بھولنا کہ اسکی ماں اس سے سید محبت کرتی تھی، اور اسنے موت کو زندگی پر صرف اسلئے ترجیح دی کہ وہ خود بد بخت اور ستائی ہوئی تھی اور ڈرتی تھی کہیں اسکی بد بختی کا اثر اسکی بچی کی زندگی پر نہ پڑے اے اسٹیفن رخصت! اے سارے جہان سے پیار سے انسان رخصت! اب میں اس زندگی کو چھوڑ رہی ہوں اور اس وقت تمہی وہ شخص ہو جسکے متعلق سوچ رہی ہوں اور جس کی جدائی پر کف افسوس مل رہی ہوں۔ مجھے بھول نہ جانا اور کبھی کبھی میری قبر پر آتے رہنا، اگر سطح زمین پر قبر مجھے نصیب ہو، اور میری اس امانت کی حفاظت کرنا جو میں تمھارے سپرد کئے جا رہی ہوں۔

اچھا اے اسٹیفن رخصت! اب میں اپنی زندگی کے ان آخری لمحوں میں بس اسی قدر کہنا چاہتی ہوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں، اور تمھاری خاطر جان دیر ہی ہوں۔

قبرستان

کہیں دوسرے دن شام کو اسٹیفن کے ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے اور آنکھیں کھول کر اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ قبرستان اور اسکے بیوی بچے قریب بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، تھوڑی دیر تک وہ ان کو دیکھتا رہا لیکن پھر قبرستان کی طرف متوجہ ہو کر بولا:۔

”کیا تم لوگوں نے دفن کر دیا؟“ قبرستان نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور آہستہ سے کہنے لگا: ”ہاں کل ہی دفن کر دیا تھا“ پھر بچی کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ جوزفین کے پاس ہوا اسکے بعد پوچھا کھانا ہے؟ اور خط لیکر اُسے گھر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ وہ اپنے بیوی بچوں کو لیکر وہاں سے چلا آیا۔ جب اسٹیفن تنہا رہ گیا تو اس نے خط پڑھنا شروع کیا اور خدائی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس قدر رویا۔

اسکے بعد اس پر بیہوشی کا دورہ پڑا اور جب آدھی رات کے بعد اسے ہوش آیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ وہ باغ میں نکل گیا اور کان لگا کر ہر طرف سننے لگا لیکن وہاں کوئی آواز نہ تھی اس نے دیکھا کہ باغبان اپنی کوٹھری میں پڑا ہوا سو رہا ہے اور اس کی کدال کو ٹھہری کے دروازے پر پڑی ہوئی ہے۔ اس نے اسے اٹھا لیا اور باغ کا دروازہ کھول کر چپکے چپکے باہر نکل آیا۔ اور قبرستان کا رخ کیا۔ اس وقت تاریکی بہت گہری تھی، ہوائیں تیز چل رہی تھیں اور بادل چاند کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے۔ قبرستان کو تین طرف سے ایک نیچی سی دیوار گھیرے ہوئی تھی جو کئی جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور متعدد رخنے اور شکاف اس میں موجود تھے، اور اسکی چوتھی سمت دریائے جو تیج بہتا تھا، دریا کے کنارے اونچے اونچے اور گھنے درخت تھے۔ تند و تیز ہوائیں جیلان کے پتوں اور شاخوں کو زور سے جھنجھوڑتیں تو انکی کھڑکھڑاہٹ دریا کے بہتے ہوئے پانی کے شور سے ملکر بہت مہیب آواز پیدا کرتی۔ اسٹیفن اپنے راستے پر چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ ان درختوں کے سرے سے نظر آنے لگے اور انکے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اسے سنائی دینے لگی اور انکے نیچے سے اُبلتے ہوئے پانی کا شور اسکے کانوں میں پہنچنے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا وہ بھوتوں کے سیاہ سائے ہیں جو رات کی تاریکی میں ناچتے گاتے اسکی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن وہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ قبرستان پہنچ گیا، چاند جب ذرا نکل آتا تو اسے راستہ مل جاتا تھا اور پھر ذرا دیر بعد جب بادلوں میں چھپ جاتا، تو وہ بھی چلتے چلتے رک جاتا تھا۔ چاند کی ہلکی سی روشنی میں وہ قبروں کو دیکھتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ جن کی مٹی خشک ہو چکی تھی اور ان پر لگے ہوئے پودے سوکھ چکے تھے کیونکہ اب ان کے لگانے والوں کے دلوں کا غم پرانا ہو چکا تھا اور وہ انکی نگہداشت سے غافل ہو گئے تھے۔ اسی طرح وہ قبروں کو ڈھونڈتا بھالتا چلا جا رہا تھا، کہ اسے ایک نئی قبر دکھائی دی جسکی مٹی ابھی تک تر و تازہ تھی۔ چاند کی ہلکی سی روشنی میں جو اسوقت اس پر پڑنے لگی تھی، اس نے ”ماجدولین“ لکھا ہوا دیکھا، وہ اپنے دونوں گھٹنوں پر جھک گیا اور آہستہ آہستہ کچھ دعا پڑھی۔ اسکے بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس کدال کو جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا اٹھا لیا اور قبر کھودنے میں مشغول ہو گیا۔ کھودتے کھودتے اسکی کدال کسی ایسی چیز سے لگی جس سے ایک سخت آواز پیدا ہوئی اور خاموش فضا گونج گئی۔

اس کا سارا جسم کانپنے لگا، خون اسکی رگوں میں جم گیا، گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑا اور کدال اسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

کدال دراصل اس تابوت پر پڑی تھی جس میں نعش رکھی ہوئی تھی، لیکن وہ غلطی سے یہ سمجھا کہ شاید وہ میت کے سر سے ٹکرائی ہے۔ اس وقت چاند بڑی آب و تاب سے بادلوں کے پیچھے سے نکل آیا تھا، اور تمام مقبرہ روشن ہو رہا تھا اور اسے ایسا نظر آ رہا تھا گویا تمام قبریں کھل گئی ہیں اور مردے اپنی اپنی قبروں سے جھانک رہے ہیں۔ وہ گھبرا کر وہاں سے لوٹ آیا اور جب گھر پہنچا تو تھک کر گر پڑا اور زور زور سے کہنے لگا کہ ”ہائے مینے اسے قتل ہی نہیں کیا بلکہ اس کی صورت بھی بگاڑ دی، پھر وہ مالی کو لے کر قبرستان گیا۔ چاندنی اس وقت بھی بہ طرف پھیلی ہوئی تھی، اسٹیفن سیدھا قبر تک گیا اور اس پر جھک گیا اسے دیکھا کہ کدال کا نشان تابوت پر بنا ہوا ہے اور اپنے اُس خیال کی کوئی علامت اسے نظر نہیں آئی، اس نے مالی سے کہا کہ قبر پر پٹی ڈال کر اسے پہلے کی طرح درست کر دو۔ جب وہ اسے ٹھیک کر چکا تب اس نے اسے کدال اٹھا کر گھر جانے کا اشارہ کیا اور وہ خود قبر کے برابر بیٹھ گیا، اس کی مٹی کو چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا اور چیخ چیخ کر رونے لگا کہ ”اے ماجدولین میری تو یہی آرزو تھی کہ میں تمہارے پہلو میں دفن ہوتا لیکن افسوس کہ یہ تمنا بھی پوری نہ ہو سکی، تاہم میں جانتا ہوں کہ یہ دن بھی کچھ دور نہیں ہے۔“ اسٹیفن اس روز سے بہت افسردہ خاطر اور غمگین رہنے لگا۔ اب وہ زندگی کو اس مسافر کی نگاہ سے دیکھنے لگا جو کسی ایسے گھر میں جا اترے جہاں اس سے پہلے کبھی نہ اُترا ہو اور وہاں اس کا دل نہ لگے، اس کا حال روز بروز زبوں تر ہوتا گیا، وہ لوگوں سے نفرت کرنے اور انھیں دیکھ کر گھبرانے لگا اور ان کی آوازیں اسکے کانوں پر گراں گزرنے لگیں۔ حتیٰ کہ اسے دوستوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے ماجدولین کا خیال، اسکے دریا میں ڈوبنے کا نظارہ، سطح آب پر اس کے بھورے اور سنہرے بالوں کے تیرنے کا منظر اور مدد کے لئے اس کا اپنے دونوں ہاتھوں کو بڑھانا لیکن کسی مددگار کو نہ پانا اور ڈوب جانا، ہر وقت اسکے سامنے رہنے لگے۔ ان باتوں کو یاد کر کے اس کے دل کو وہ اذیت ہوتی کہ اسے کسی طرح چین نہ ملتا تھا۔ اور وہ چیخ چیخ کر یہی کہتا تھا کہ ہاں مینے ہی اسے قتل کیا ہے، میں نے ہی اس کے جگر کے ٹکڑے کو اس سے چھینا ہے، میں بھی کس قدر بدبخت اور بد نصیب ہوں۔ میری تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ میں ان تمام لوگوں کو جو اس زمین کے اوپر مجھ سے محبت کرتے ہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں، اور ان کے بعد بد نصیب اور گرفتار عذاب ہو کر ان پر قائم کرنے کے لئے رہ جاؤں، نہ انھیں فراموش کر سکوں اور نہ اُن تک پہنچ سکوں۔

پہنچوون

کو بلائیں کی مجلسوں اور محفلوں میں اب اسٹیفن بالکل شریک نہ ہوتا تھا اور جب اسکے احباب کو حالات معلوم ہوئے تو انھیں بڑی فکر پیدا ہوئی کہ مبادا زمانہ کا بیرحم ہاتھ اس بالکمال مہستی کو انکے ہاتھ سے چھین لے۔ چنانچہ ان حالات کے پیش نظر انھوں نے ایک بڑا جلسہ کیا، جس میں موسیقی کے بڑے بڑے ماہر مشہور مشہور تمثیل نگار اور اصحاب شعر و ادب نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ اُس کی ملاقات کے لئے اسکے گھر چلنا چاہئے اور اس وقت تک اسکے پاس ٹھہرنا چاہئے جب تک کہ وہ اپنی اس گوشہ نشینی کو خیر باد نہ کہدے اور اپنی پہلی زندگی کی طرف واپس نہ لوٹ آئے۔

چنانچہ انھوں نے اسے لکھا کہ ہم لوگ کل تمھاری ملاقات کے لئے آنے والے ہیں اور دوسرے روز شام کو یہ سب لوگ اپنی اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر، اور ان میں سے اکثر اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو ہمراہ لیکر اسکے گاڑی پہنچ گئے۔ اسٹیفن نے ان لوگوں کا استقبال بڑی خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے کیا، اور یہ کسی طرح ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اپنے پہلو میں کوئی رنج و غم چھپائے ہوئے ہے۔ وہ لوگ اسے اس حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ یا تو وہ اپنے غم سے نجات پا چکا ہے یا عنقریب پانے والا ہے، اور یہ ہلکی سی زردی جو ہر وقت اس کے چہرے پر چھائی رہتی ہے گزشتہ واقعات کا اثر ہے جو خود بخود جاتا رہا۔ اسٹیفن نے ان لوگوں کے رات کے کھانے کے لئے اپنے باغ میں ایک وسیع دسترخوان بچھوایا اور یہ سب مرد عورت جو تیس سے کچھ زیادہ تھے وہاں جا کر بیٹھ گئے اور وہ خود بھی ان سب کے درمیان میں بیٹھا ہوا اپنی دلچسپ اور لطیف باتوں سے سامان دلچسپی فراہم کرتا رہا تھا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر باغ میں ادھر ادھر ٹہنے لگے یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ اس وقت ان میں سے ایک شخص نے یہ خواہش کی کہ باغ کی فضا میں پیانو منگوا دیا جائے اور پھر وہ شخص بھی پسند کرے اسے بجانے کی تکلیف دیجائے۔ چنانچہ پیانو منگوا لیا گیا اور سب سے پہلے فرڈریک اٹھا اور موسیقار عظیم بیتھوفن کے راگوں میں سے ایک راگ بیٹھ کر گانے لگا۔ سامعین اس راگ کو سنکر تہجد متاثر ہوئے اور ان میں سے ایک شخص کہنے لگا:۔ سچ تو یہ ہے کہ بیتھوفن خدا کا ایک رسول تھا، کیونکہ تمام ماہرین موسیقی میں تنہا وہی شخص تھا جس نے فطرت کی زبان میں باتیں کیں اور اسی کے لغزوں اور ترانوں کو دہرایا۔ یہ سنکر شاعر سید روف کہنے لگا، اگر ہم میں سے کسی شخص کو اس کے آخری زمانے کے حالات معلوم ہوں تو براہ کرم بیان کرے۔ اسٹیفن کہنے لگا، میں آپ لوگوں کو اسکے حالات سناؤں گا میرا استاد ہونٹل اسکی زندگی کے آخری دنوں میں اس کا رفیق رہا تھا اور مرنے کے بعد اس نے اُسے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا تھا۔ وہ اکثر زندگی کے آخری ایام کا تذکرہ کیا کرتا تھا اور پھر انھیں یاد کر کے گھنٹوں روتا رہتا تھا، چنانچہ میں آپ لوگوں کے سامنے اسی طرح بیان کرتا ہوں جس طرح کہ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا۔ زمانہ نے بیتھوفن کے ساتھ جس بے رحمی کا سلوک کیا، وہ کسی کامل فن کے ساتھ کسی زمانہ میں نہ کیا گیا ہوگا۔ اس نے اس دنیا کے لئے کیسے کیسے ماکوفی نئے ایجاد کئے، لیکن دنیا نے کوئی پروا نہ کی، اسی کے ساتھ اسکے ہم پیشہ حاسدوں کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو اس کے سامنے آکر اسکا راستہ روک لیتے تھے اور جب کبھی وہ اسکے سامنے اپنا ستار لیکر کھڑا ہوتا تو یہ اس کا استہزا کرتے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس کی زندگی کو مکدر کر دیا اور اپنی عظمت و شہرت میں خدہ اسے بھی شک ہونے لگا۔ اگر اس کا دوست ہونٹل جو اس کے لئے ایک سچے آئینہ کی طرح تھا اور جس میں کبھی کبھی وہ اپنے صحیح خدو خال دیکھ لیا کرتا تھا موجود نہ ہوتا تو یقیناً عالم پاس و نو میدی میں وہ موسیقی سے دست بردار ہو چکا ہوتا، پھر بھی گہرا کمر وہ نکل کھڑا ہوا اور شہروں شہروں پھرنے لگا اس حال میں کہ اس کے پاس اسباب رزق میں سے سوائے اسکے ایک ستار کے اور کوئی دوسری چیز نہ تھی وہ جنگوں بیابانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جہاں فطرت کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز اسے سنائی نہ دیتی تھی، اپنے ستار کے تاروں پر اپنے

رنج و غم کو ظاہر کرتا اور ایسی حالت میں جبکہ وہ فاقے سے ہوتا، وہ بڑے عظیم المرتبت نغمے ایجاد کرتا، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ گھومتے گھومتے دریائے ڈینوب کے کنارے تک جا پہنچتا، اور اسکے ساحلوں پر گھومتا رہتا اور اگر دریا اپنے جانداروں میں سے کسی چیز کو اپنے کنارے پر پھینک دیتا، تو وہ اسے اٹھا کر کھالیتا، یہاں تک کہ اس کے دوست ہو مل کو اسکی خبر ملتی اور وہ اسے آبادی کی طرف واپس لے آتا۔ پھر اسے اس حالت تک پہنچا کر بھی زمانہ کو چین نہیں پڑا، اور اسے اس کے آخری زمانہ میں بہرا کر دیا، لیکن اسے اس حادثہ کا کچھ زیادہ افسوس نہیں ہوا، بلکہ اپنے دل میں کہنے لگا: ”خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اسنے مجھے ان لوگوں کی آدمی شرارت سے محفوظ کر دیا کاش ایسا ہوتا کہ وہ مجھے نصف آخر سے بھی اپنی حفاظت میں لے لیتا تاکہ نہ میں ان کی صورتوں کو دیکھتا اور نہ ان کی آوازوں کو سُن سکتا۔“ اخیر میں وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ اور شہر بادن کے قریب ہی ایک جنگل میں چلا گیا اور تن تنہا وہاں رہنے لگا۔ نہ اپنے دل کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنتا اور نہ ان اندرونی نغموں کے علاوہ جو ہر وقت اور مسلسل اس کے دل کی گہرائیوں میں بلند ہوتے رہتے، کوئی دوسری چیز اس کے کانوں تک پہنچتی۔ ہاں کبھی کبھی وہ اپنے دوست ہو مل سے مل لیتا تھا، چنانچہ جب کبھی وہ اسکے پاس جاتا تو اسے اپنے نئے نئے نغمے سنایا کرتا۔ وہ اپنی اس عزت و تنہائی میں بھی بہت دنوں تک نہیں رہ سکا، کیونکہ اسکے ایک بھانجے کا جو کہ ویانا میں رہتا تھا اور جسے اس نے اسکے بچپن ہی سے اپنا متبنی بنایا تھا اسکے پاس ایک خط آیا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ اس پر ایک سخت تہمت لگائی گئی ہے، اور بغیر اسکے آئے ہوئے اس سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

چنانچہ وہ اپنے دوست ہو مل سے ملے بغیر روانہ ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس اتنے روپے بھی نہ تھے جو اس سفر کے لئے کافی ہو سکتے۔ چنانچہ کبھی پیدل اور کبھی بار برداری کی گاڑیوں پر سوار ہو کر وہ اپنا یہ طویل سفر طے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بہت تھک گیا اور چلنے سے عاجز ہو گیا۔ منزل مقصود ابھی تک بہت دور تھی کہ ایک رات اس کا گزرا ایک ایسے چھوٹے سے گھر پر ہوا جو گاؤں سے باہر بنا ہوا تھا وہ اسکے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا اور ہلکے ہلکے اسے کھٹکھٹانے لگا۔ صاحب خانہ باہر آیا اور کہنے لگا کیا کام ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایک بوڑھا، بہرا مسافر ہوں، رات ہو چکی ہے اور تکان کی زیادتی سے اب آگے بڑھنے کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ آپ براہ کرم مجھے اپنے یہاں ایک رات ٹھہر جانے کی اجازت دیجئے اور اگر مناسب سمجھیں تو میرے لئے روٹی کے چند ٹکڑوں کا بھی انتظام کر دیجئے۔“ چنانچہ اس شخص کو اس پر ترس آ گیا اور اسے اپنے گھر میں لے آیا، اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ اسی کمر بٹھا دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ ہال کے ایک کونے میں ٹکیٹھی کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور صاحب خانہ جو موسیقی کا بڑا دلدادہ تھا۔ پیانو کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، اور اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی ستار اٹھانے کا اشارہ کیا۔ بیٹھو دن اسے گاتا دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ہر چند وہ نہ سُن سکا کہ یہ کیا گار ہے تھے لیکن انکی کیفیت سے یہ اندازہ کر سکا کہ۔۔۔ یہ لوگ جس گیت کو گار ہے تھے اس کا ان کی طبیعتوں پر گہرا اثر تھا۔

بیٹھو دن اپنی جگہ سے اٹھا درانکے پاس جا کر کہنے لگا، ”دوستو! میں تمہارے گانے کو کچھ بھی نہ سُن سکا۔ ہاں

اسی قدر سمجھ سکا ہوں کہ یہ بہت ہی پر اثر نغمے تھے، اس سببیت کے نازل ہونے سے پہلے جہیں تم مجھے دیکھ رہے ہو میں بھی موسیقی کا از حد دلدلہ تھا اور مجھے اپنی زندگی میں گانے سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہ تھی۔ کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ موسیقی کے اس ورق کو ایک نظر میں بھی دیکھ لوں اور جس گیت کو تم اس وقت گارہے تھے اسے پڑھ لوں۔ اس نے وہ ورق اسکی طرف بڑھا دیا، اور بیٹھوون اس پر جھک کر اسے پڑھنے لگا اور جوں ہی اس کی نظر اس پر پڑی اس کا رنگ زرد پڑ گیا، اس کا ہاتھ کاپنے لگا اور اس کی پیشانی پسینہ سے تر ہو گئی اور زور زور سے رونے لگا۔ اسے روتا دیکھ کر لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور چاروں طرف سے اسے گھیر کر اسکے رونے کا سبب پوچھنے۔ انہں میرے عزیز یہ گیت میرا ہی ہے اور میں ہی بیٹھوون ہوں۔۔۔ وہ لوگ یہ سن کر گھبرا گئے اور تھوڑی دیر تک تو عالم حیرت و وارفتگی میں اسے دیکھتے رہے پھر انھوں نے اپنے اپنے سروں سے اپنی اپنی ٹوپیاں اتار لیں اور انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ اسکے سامنے جھک گئے اور یکے بعد دیگرے اسکے ہاتھوں کو لیکر چومنے لگے اور یہی ساعت اس کی زندگی کی وہ ساعت تھی جس میں وہ عزت و احترام کی لذت سے آشنا ہوا اور یہی وہ ساعت تھی جب موت کا پرندہ اسکے سر پر سے اڑتا ہوا نکل گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت اس نے اپنے پہلو میں ایک تکلیف دہ چمک محسوس کی، اور جہاں تھا وہیں گر پڑا۔ لوگوں نے اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیا اور لیجا کر بستر پر لٹا دیا اور تمام رات اسکے سر ہانے بیٹھے ہوئے اسکی تیمارداری میں مصروف رہے، کبھی تو اسکی حالت ذرا سنبھل جاتی اور کبھی پھر بے ہوش ہو جاتا۔۔۔ اس کا دوست ہوٹل اسکے اس سفر سے واقف ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے، دیکھتا بھالتا، پوچھتا گچھتا چلا آ رہا تھا، یہاں تک کہ اسے اس گاؤں کا پتہ چل گیا جہاں وہ اتر آ تھا، اور اس گھر کا بھی جس میں وہ ٹھہرا تھا اور وہاں اسے دم توڑتے دیکھ کر رونے اور ماتم کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بیٹھوون کو اس کی موجودگی کا علم ہوا، اسے دیکھ کر وہ مسکرایا اور کہنے لگا، ”اے ہوٹل کیا تم اپنے ساتھ میرے لئے میرا ستار بھی لائے ہو؟“ ہوٹل کہنے لگا، ”جی ہاں لایا ہوں، لیجئے آپ کا یہ ستار حاضر ہے۔“ پس اسنے وہ ستار اسکے ہاتھ سے لے لیا اور اپنے ایک ہاتھ کا سہارا لیکر اٹھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور ان سب لوگوں کے سامنے اپنا مشہور اور پردرد گیت ”اے رب تو نے مجھے کیوں بد قسمت بنایا حالانکہ میں نے تیرے بندوں میں سے کسی کو نہیں ستایا“ گانے لگا اور اسے ختم کرتے ہی اسکے دونوں ہاتھ کاپنے لگے، اس کی دونوں آنکھیں ابھرا آئیں اور پسینہ اسکی پیشانی پر بہ کر ٹپکنے لگا۔ وہ اپنے تکیہ پر گر پڑا اور موت کی غشی اس پر چھا گئی۔ پھر ذرا دیر بعد اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے دوست ہوٹل کو اپنے برابر بیٹھا ہوا دیکھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا، ”اے ہوٹل، کیا میں اپنی زندگی میں بڑا آدمی نہ تھا؟“ وہ کہنے لگا ”کیوں نہیں؟ بے شک آپ تو بہت بڑے آدمی تھے۔“ یہ سن کر اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا، اور اس نے اپنی آنکھیں یہ کہتے کہتے بند کر لیں۔ اب زی، اس دنیا سے امارت رخصت ہو رہا ہوں، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

نغمہ موت

اسٹیفن نے یہ قصہ ابھی پوری طرح ختم بھی نہ کیا تھا کہ اسکے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور اسکا سر زمین کی طرف جھک گیا۔ اس حالت میں دیکھ کر لوگ اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ ایک ہاتھ سے دل کو تھامے ہوئے ہے اور آنسو اس کے رخسار پر بہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان میں سے ایک شخص نے پوچھا: ”کیوں رو رہے ہو؟“ تھوڑی دیر تو وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا پھر بولا: ”میں اس شخص پر رو رہا ہوں، جو جب تک جیاد بخت جیا اور جب مرا تو فقیر و محتاج مرا۔“ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں کچھ کام کرنا چاہتے ہیں، یہی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ یہاں ان عظیم الشان درختوں کی طرح زندگی بسر کریں جو کسی تپتے ہوئے جنگل میں کھڑے ہوں، گرنے والے انکے سائے کی ٹھنڈک سے فائدہ اٹھائیں اور وہ خود بادِ سموم کے جھونکوں میں جھلتے رہیں۔ لوگ اسی طرح خاموش بیٹھے سُن رہے تھے کہ دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ بیانو کی کرسی کی طرف بڑھا اور حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: ”دوستو! میں تمہارے سامنے میتھو دن کے حالات زندگی بیان کر چکا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں تمہیں اسکا وہ گیت بھی سنا دوں جو وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں گایا تھا۔“ چنانچہ اس نے وہی گیت شروع کیا: ”اے رب تو نے مجھے کیوں بدمت بنایا حالانکہ میں تیرے بندوں میں سے کسی کو نہیں ستایا۔“ اور بہت ہی ہلکے اور نیچے سروں میں گانے لگا۔ لیکن اسے جذبات اور زیادہ بھڑکنے لگے، اسکی آواز بلند ہونے لگی، اور اسکے نغمے فضا کی وسعتوں میں گونجنے لگے۔ ایسا محسوس ہوا جتنا کہ وہ اپنے ساز کے تاروں کو نہیں چھیڑ رہا ہے، بلکہ درد کی شدت سے تڑپ تڑپ کر رہا ہے اور اسکی سانسوں سے اس کے جلتے ہوئے جگر کی بو آ رہی ہے۔ جتنا جتنا زیادہ گاتا جاتا تھا اس کا تاثر زیادہ بڑھتا جاتا تھا، اسکے جذبات اور زیادہ بھڑکتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ سے اور اپنے ماحول سے بچر ہو گیا اور واقفگی و خود فراموشی کی ایک عجیب کیفیت اس پر طاری ہو گئی۔ جب وہ اپنے نغمے کے آخری حصے پر پہنچا جو زیادہ طویل اور فضا میں سب سے زیادہ گونجنے والا تھا، تو حاضرین کھڑے ہو گئے اور زور زور سے تالیاں بجانے اور ”اسٹیفن زندہ باد“ کے نعرے لگانے لگے۔ ادھر یہ لوگ زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے، اسکی درازی عمر کی دعائیں مانگ رہے تھے، ادھر اس کا سر اس کی کرسی کی پشت کی طرف جھک چکا تھا، اس کا چہرہ کانپ رہا تھا، رنگ بدل چکا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے کو دبائے ہوئے تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور بہتر پر لیا کر ٹا دیا۔ طبیب نے آکر اس کا معائنہ کیا اور پھر نگاہ یاس سے سب کی طرف دیکھنے لگا۔ سب لوگوں نے نہایت خاموشی اور درد کے ساتھ گردنیں جھکا لیں، اس کے چاروں طرف آکر کھڑے ہو گئے اور خدا کے ارادے کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور اپنے ارد گرد دیکھنے لگا۔ پھر فریاد کا نام لیکر پکارا جو وہیں موجود تھا۔ جب وہ سامنے پہنچا تو دیر تک اسے دیکھا رہا، پھر اس نے ماجدولین کی لڑکی کا نام لیا اور جب وہ اس کے سامنے لائی گئی تو اسے اپنے سینے سے لگایا۔

اور پیار کیا اسکے بعد وہ حاضرین کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت پست اور ٹوٹے ہوئے لفظوں میں بولا:-

”دوستو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری کل دولت ان دو شخصوں کی ہے: یہ کہہ کر اس نے فرترز اور ماجدولین کی لڑکی کی طرف اشارہ کیا اسکے بعد وہ پھر غافل ہو گیا اور جب ایک گھنٹہ کے بعد اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اپنے ارد گرد لوگوں کو روتے دیکھا تو اسکے ہونٹوں پر تبسم کی ایک خفیف سی ہر دور لگئی اور بولا: ”اے فردریک میں وصیت کرتا ہوں کہ تم میرے تمام گیتوں کو ایک کتاب میں جمع کر دینا، اور اے سید روف میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم میری زندگی کی تاریخ کو، جیسا کہ فرترز کو معلوم ہے، لکھ کر شائع کر دینا اور اے فرترز تم سے میری اتنی وصیت ہے کہ مجھے ماجدولین کی قبر میں دفن کر دینا اور اس معصوم بچی کا ہر طرح خیال رکھنا اور جب وہ جوان ہو جائے تو کسی ایسے شخص سے جسے وہ اپنے لئے پسند کرے اس کی شادی کر دینا اور پھر میں تم سب کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ میری موت پر تمہیں نہ ہونا کیونکہ اگرچہ میں اپنی زندگی میں بد قسمت رہا، لیکن جیسا کہ تم اس وقت دیکھ رہے ہو میں نہایت خوش قسمت مر رہا ہوں“ یہ کہہ کر اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انجام

لیکن فرترز اور اس کے خاندان کی حالت سدھر گئی اور ان کی زندگی خوش حالی میں تبدیل ہو گئی۔ جسے سوائے اسٹیفن کے غم مرگ کے کوئی دوسری چیز مکر کرنے والی نہ تھی۔ چھوٹی ماجدولین کو فرترز نے اپنے دامن حمایت میں لے لیا، اور اپنے لڑکے برنار کے ساتھ پرورش کیا جس کے ساتھ اس نے اپنے بچپن میں دودھ پیا تھا اور اسے بالکل سادہ اور دیہاتی طریقے پر پالا، یہاں تک کہ وہ دونوں جوان ہو گئے اور ایک دوسرے سے نہایت شریفانہ اور پاکیزہ محبت کرنے لگے اور جسے بعد کو شادی کی صورت اختیار کر لی، اسٹیفن کے گھر کو ”جمعیتہ الموسیقی برلن“ نے خرید لیا اور اُسے اسٹیفن کی یادگار کے طور پر محفوظ رکھا۔ یہ گھر اس وقت تک زیارت گاہ عام و خاص ہے۔ لوگ دور دور سے اسکی زیارت کو آتے ہیں اور اُن تاریخی اوراق کو دیکھتے ہیں جنہیں شاعر سید روف نے مرتب کیا ہے۔ وہ اسکے باغ کو دیکھتے ہیں اور اس کے اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے بنفشہ کے پھولوں کو دیکھتے ہیں اور اس حوض کا جو باغ کے وسط میں بنا ہوا ہے اور اس جنگلے کا جو اس کے چاروں طرف اگا ہوا ہے طواف کرتے ہیں۔ پھر انہیں وہ گرسی نظر آتی ہے جس پر اسٹیفن اور ماجدولین بیٹھا کرتے تھے اور پھر اس نیلگوں مکرے کو دیکھتے ہیں جو جملہ عروسی بننے کی جگہ ماتم کدہ بنا اور پھر اس کی لائبریری اس کے ستار اور اُس پیانو کو دیکھتے ہیں، جس پر اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اس نے نغمہ موت گایا۔

اس گھر کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد لوگ مقبرہ کی طرف جاتے ہیں اور اُس قبر کو دیکھتے ہیں جہاں دونوں بد قسمت اور بد نصیب مدفون ہیں۔

توقیت

۱۵۰ روپے سے ۳۰۰ روپے تک تمام اہم تاریخی واقعات - قیمت ۸ روپے

جھانسی کی رانی (ڈرامہ) حضرت نیاز کے قلم سے حال ہی میں شائع ہوا ہے - قیمت ۷ روپے

نگارستان

حضرت نیاز کے ایام شباب کے ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ - قیمت تین روپے

مکتوبات نیاز (حصہ دوم) اس مجموعہ میں اکثر خطوط فن نقد اور شعر و شاعری سے تعلق رکھتے ہیں - قیمت تین روپے

انتقادیات (دو حصے)

حضرت نیاز کے انتقادی مقالات کا مجموعہ جس کے ادبی و انتقادی مباحث دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت حصہ اول للہ حصہ دوم للہ

جذبات بھاشا

ہندی شاعری کے بے مثل نمونے - قیمت بارہ آنے

جمالستان

اڈیٹر نگار کے افسانوں اور ادبی مقالات کا دوسرا مجموعہ - قیمت چار روپے

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ طویل افسانہ جو سیرت نگاری اور نفسیاتی تجزیہ کے لحاظ سے آپ اپنی مثال آپ - قیمت ڈیڑھ روپے

مذاکرات نیاز

حضرت نیاز کی ڈائری ادب لطیف اور تنقید عالیہ کا بے مثل نمونہ - قیمت ڈیڑھ روپے

شاعر کا اخبار

جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ - قیمت بارہ آنے

حسن کی عیاریاں

حضرت نیاز کے افسانوں کا تیسرا مجموعہ - تاریخ و انشاء لطیف کا بے مثل امتزاج - قیمت دو روپے

ترغیبات جنسی

اس میں فحاشی کے تاریخی و نفسیاتی حقائق پر محققانہ انداز سے بحث کی گئی ہے - قیمت چار روپے

نقاب کھ جانے کے بعد

جس میں تین مذہبی علماء کو بے نقاب کیا گیا ہے زبان و انشاء بے نظیر - قیمت آٹھ آنے

فلاسفہ قدیم

حضرت نیاز کے دو علمی مقالات کا مجموعہ - قیمت ایک روپے

نقشبائے رنگ نگ

غائب کے فارسی کلام پر بے مثل تبصرہ - قیمت ۴ روپے اصحاب کہف (ڈرامہ)

حضرت نیاز کے قلم سے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے - قیمت ۱۲ روپے

مکتوبات نیاز (حصہ اول) اڈیٹر نگار کے خطوط یعنی انشاء رنگین اور سلاست بیان کا بے نظیر مجموعہ - قیمت تین روپے

مجموعہ استفسار و جواب جلد ۱ و ۲ اردو میں دائرۃ المعارف قسم کی پہلی تصنیف جس کی اہمیت صرف مطالعہ کے بعد معلوم ہو سکتی ہے - قیمت ہر حصہ تین روپے

مذہب

اڈیٹر نگار کا وہ معرکہ الآراء مقالہ جس میں بتایا گیا ہے کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے - قیمت ایک روپے

فراست الید

ہاتھ کی لکیروں کا علم نہایت آسان زبان میں - قیمت ایک روپے

نگار کے خاص نمبر - صفحہ نمبر قیمت دور روپے - غزل گو شعر و شاعری - قیمت تین روپے - نقد نمبر - قیمت دور روپے - ریاض نمبر - قیمت ایک روپے

زیب دیتا ہے اسے جب قدر اچھا کہئے

مرزا غالب نے یہ مصرع بادشاہ کے ہاتھ میں
چکنی ڈلی دیکھ کر کہا تھا مگر دنیا آجکل اسے

نکٹائی مارک

مال استعمال کر کے پڑھتی ہے

ہر قسم کا زردہ۔ مشکلی قوام۔ الپچی دانہ۔ تیل۔ عطر۔ عرق کیوڑہ و گلاب اور مختلف قسم
کے پان مسالوں کو مشرقی نفاست اور طبی احتیاط کے ساتھ طیار کرنے والا
مشرقی ہندوستان کا قدیم ترین کارخانہ آپ کی فرمائشات کا منتظر ہے۔

فہرست طلب فرمائیے

ٹیلی فون :- ہوڑہ ۴۵۵

ٹیلی گرام ”مشکی قوام“ ہوڑہ

نکٹائی برانڈ زردہ فیکٹری - ۱۴۱ ہوڑہ روڈ ہوڑہ

سیاسی بصیرت

حاصل کرنے کے اردو کا واحد سیاسی ماہنامہ

نئی زندگی

مصوّر

اڈیٹر: سید نسیم الرحمن

قائم شدہ ۱۹۴۱ء

پڑھا کیجئے، جو محض سیاسیات پر بحث کرتا ہے

مستقل عنوانات

(۱) ایڈیٹریل، جس میں تمام ملکی سیاسیات پر سیر حاصل بحث ہوا کرتی ہے (۲) رفتار عالم - جس میں غیر ملک کی سیاسیات پر دقیقہ رسی سے تبصرہ کیا جاتا ہے - (۳) صوبوں کی سیاسیات - (۴) اخبارات کی رائیں - یعنی مختلف ملکی مسائل پر ہندوستان کے اخبارات کیا کہتے ہیں - (۵) ریاستیں - ریاستوں کے اہم کوائف و حالات - (۶) دارالسلطنت - ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کی سیاسی سرگرمیاں - (۷) معلومات - اہم سیاسی معلومات، اعداد و شمار وغیرہ - (۸) ڈائری - ایک مہینہ کی دنیا اور ہندوستان کی سیاسی ڈائری - (۹) صنعت و حرفت - (۱۰) تبصرے (۱۱) افسانے - (۱۲) فلمی تبصرے وغیرہ -

ان مستقل عنوانات کے تحت ادارہ کے مضامین کے علاوہ ہر مہینے اہم ملکی و غیر ملکی سیاسی مسائل پر

ہندوستان کے مفکرین علماء کرام اور رہنماؤں کے بصیرت افروز مضامین ہوا کرتے ہیں

غرضکہ ”نئی زندگی“ ہندوستان و بین الاقوامی سیاسی کوائف کی ایک ماہانہ رپورٹ ہے

جس کا مطالعہ موجودہ دور کی سچیدہ سیاسیات کو سمجھنے کے لئے از بس ضروری ہے

علاوہ ازیں ہر مہینے سیاسی سرگرمیوں کی بہترین تصاویر

سالانہ چندہ سے - ششماہی ہے - نمونہ کے لئے ۸ روپے ٹکٹ - ممالک غیر سے ۱۴ شلنگ

منیجر ماہنامہ ”نئی زندگی“ - ۹۰ ہیوٹ روڈ - الہ آباد

جنوری سے مستقل خریدار بن جائیے

خاص نمبر کی ایک جھلک

شعر و سخن

اے جان من — جوش ملیح آبادی
شاہِ خواں آگیا — ڈاکٹر تاثیر
نغمہ و رقص — فراق گورکھپوری
خواجہ فرید — سید عطاء اللہ بخاری
کھیل — اثر لکھنوی
نغمہ موج — راتِ یزدانی

بیوہ اور برسات — ثاقب کاپوری
دو آتش — مہر القادری

علم و ادب

صوت سکندری — مہر محمد خاں شہاب
حالی غزلگو کی حیثیت میں — حامد حسن قادری
اسلوب بیان — محمد عظیم
سلامِ حبیب — احمد علی شاد
افسانے اور ڈرامے

حسنِ خوابیدہ — شبلی — بی، کام
شادی طے ہو گئی ہے — ستیش تبرا — ایم۔ اے
کاش میں بھول سکتا — ظہور احسن ڈار
اک تیرے جانے سے پہلے — طفیل ملک

پرندے — ایوب سرور
پھانسی — معظم علی ایم۔ اے
ٹیلی گرام — مقبول حسین احمد پوری
کڑوا رکس — رحمن مذنب
ناؤ — شاہین

جھلمکیاں — زینت جہاں بی، اے
چھاپا پاتر — برق صہبائی
(نامکمل)

عالمگیر خاص نمبر ۱۹۴۶ء

رسالہ عالمگیر برابر ۲۳ برس سے اردو علم و ادب کی جوشاندار خدمات انجام دے رہا ہے اہل ذوق اُس سے ناواقف نہیں ہیں ہندوستان کا یہ ممتاز ترین ماہنامہ عام پڑچوں کے علاوہ ہر سال تین وزنی اور ضخیم خاص اشاعتیں اپنے سالانہ خریداروں کو مفت پیش کرتا ہے۔ یعنی اپریل میں افسانہ نمبر، جولائی میں سالانہ نمبر اور دسمبر میں خاص نمبر۔ حالانکہ اُن کی مجموعی قیمت چھ روپے اور ضخامت چھ سو صفحات سے کم نہیں ہوتی۔ اس گرائی و نایابی کے زمانہ میں بھی عالمگیر کے خاص اور سالانہ نمبر اُسی آن بان اور شان و شوکت سے شایع ہو رہے ہیں اور مضامین کے لحاظ سے بھی وہ رفتارِ وقت اور ماحول کے تقاضوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ چنانچہ جنوری میں خاص نمبر پیش کیا جا رہا ہے۔ جو ادبی و فنی خوبیوں کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوگا۔ ضخامت دو سو صفحات — قیمت صرف دو روپے۔ سالانہ چندہ چھ روپے چار آنے مع محصول ڈاک۔ سالانہ خریداری کی رعایتوں سے مستفید ہونے کے لئے خاص نمبر سے اپنا سلسلہ خریداری شروع کیجئے۔ خاص نمبر کے مضامین نظم و نثر کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے۔ اس فہرست میں ہر روز قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے۔!

نیچر رسالہ عالمگیر — سید مٹھا بازار — لاہور

چند معیاری کتابیں

تاریخ اسلام سید میر علی کا مکمل سلیبس اور با محاورہ ترجمہ از باری علیگ ہے

بانگ درا	اقبال	مقالات جمال الدین افغانی۔ سید امجد علی	خود کشی (ناول)۔ ذوالستائی
بال جبریل	"	پطرس کے مضامین۔ پطرس	افسانہ زریں۔ اسماعیل
ضرب کلیم	"	کیلے کا چھلکا۔ سند باد جہازی	شب غم۔ دم اسلم
زبور عجم	"	جغرافیہ پنجاب مزاحیہ	خار و گل
شعلہ و شبنم	جوش	خونناک نیا کامل۔ سید محمد علی شاہ	طوفان
نقش و نگار	"	دہلی چلو۔ شورش کاشمیری	نشان راہ۔ رشید خرنووی
آیات و نعمات	"	اردو ادب جنگ عظیم کے بعد۔ ڈاکٹر عبد	کانٹوں کی سیج
شعرستان	اختر شیرانی	منٹو کے مضامین۔ منٹو	نسیم
الطاف کے گیت	الطاف مشہدی	جاہ و جلال۔ تبسم	محمد بن قاسم۔ نسیم حجازی
تعلقہ	حاجی لقلق	دروازہ۔ کرشن چندر	حیات محمد علی جناح۔ رشید احمد جعفری
زنگ بہت	اثر لکھنوی	گنج ہائے گرانایہ۔ رشید احمد صدیقی	غبار خاطر۔ ابوالکلام آزاد
پیام شباب	قاضی نذیر اسلام	لیلے کے خطوط۔ قاضی عبدالغفار	جرم و سزا۔ باری علیگ
کلیات فانی	فانی	مجنوں کی ڈائری	فلسفہ عجم۔ اقبال
مثنوی شہنشاہ موس	شاد علی آبادی	اسنے کہا	مزاحیہ ڈرامے۔ خلیل
نقش چغتائی	دیوان غالب مصور خان	جواب۔ کرنل مجید ملک	گفت و شنید۔ بشیر ہاشمی

نوٹ: مکمل فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

نیچر اردو اکیڈمی لوہاری گیٹ لاہور

دی مغل لائن لمیٹڈ

بحرا بحر اور مارشس

کی بندرگاہوں کو مسافر اور مال لیجانے والے جہازوں کا بڑا بھیج ہے۔

عدن، پورٹ سوڈان، جدہ اور مصر

کی بندرگاہوں کے درمیان ہمارے جہازوں کی آمد و رفت باقاعدگی اور خوش اسلوبی سے ہوتی ہے اور امید ہے کہ ہم حسب ضرورت دوسری بندرگاہوں کو بھی اپنے جہاز بھیج سکیں گے مال اور مسافروں کو بکنگ کے متعلق تفصیلات کے لئے لکھئے۔

ٹرن مارلسن اینڈ کمپنی لمیٹڈ

۱۶ بینک اسٹریٹ بمبئی

کوئی ثبوت صدائے قبل۔ ماننا نہ ماننا آپ کا حق نہیں۔
میرزا خاں یہ دو دنیا بھر میں مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔
 دماغی کمزوری کے لئے اس کی صفت ہے جو ان بڑے سب کھاتے
 ہیں اس دو کے مقابل میں دیگر اولیاتی ادویات اور کثرت جات
 پیدا نہیں کرتی اس سے بھوکا نہیں قدر بڑھتی ہے کہ درمیان میں درود
 اندیشہ یا بھوکا نہیں کرتے ہیں اس قدر مقوی دماغ ہے کہ کچھ نہیں
 باقی رہتی جو وہ خود یاد دلائے لگتی ہیں اس کو مثل آجیات کے تصور
 فرمائیے اس کے استعمال کرنے سے پہلے اپنا وزن کر لیں۔
 ایک سبب یہ ہے کہ یہ سبب اس کے جسم میں اضافہ کر دیتی
 اس کے استعمال سے ۱۸ گھنٹہ کام کرنے سے مطلق عین
 نہ ہوتی۔ یہ دو اور جسمانی کو مثل کتاب کے کھولنے کے سرخ اور
 منور انداز کے درخشاں بنا دے گی۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو ہر آدمی
 بالخصوص اعلا ج اس کے استعمال سے باہر از بندہ بنو رہا ہوا سال
 کے چاروں بن گئے ہیں۔ یہ نہایت حد درجہ مقوی ہے کہ آپ
 صبر و تحمل نہیں کر سکتے۔ القصد اس کی صفت تحریر میں نہیں
 آ سکتی، تجربہ کر کے دیکھ لیں اس سے بہتر مقوی دوا دنیا بھر
 میں نہیں ہے۔
 قیمت فی شیشی چار روپیہ (لکھنؤ)
 (فخریہ) تالیف نہ ہو تو قیمت وائیں۔ ہر شیشی دو روپے
 صفت ملکا جیتے۔ میں ۱۱ کو کو حاضر و ناظر جان کر لکھتا ہوں کہ
 دو اس کی کام کرتی ہے۔ نقالوں سے ہوشیار رہئے، میری
 ۱۴ سالہ شہرت پر غور فرمائیے۔
حکیم شاہت علی بیچ زبان، خوش کلام
 (عالم مقوی مولانا نے رد صاحب)
 محمود و ملک علی لکھنؤ۔ یو۔ پی

ضرورت رشتہ

معزز خاندان کے صحیح و توانا نوجوان (ام، اے، ال، ال بی) کے لئے جو محکمہ کسانوں میں الپکٹ کے عہدہ پر مامور ہے، رشتہ کی
 رشتہ ہے، لڑکی قبول صورت، سلیقہ مند، خوش مزاج اور شریف خاندان کی ہونا چاہئے۔ انگریزی تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں۔
 خط و کتابت اس پتہ سے کی جائے:۔ ع۔ ر۔ = ذریعہ منیجر نگار لکھنؤ

نیاز فچپوری کی دیگر تصانیف

جذبات بھاشا	فلاسفہ قدیم	شاعر کا انجام	فراست الید
جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کر کے ان کی ایسی تشریح کی ہے کہ دل بیتاب ہو جاتا ہے اور دو میں سے سب سے پہلی کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے اور ہندی کلام کے بے مثل نمونے نظر آتے ہیں۔ قیمت بارہ آنہ علاوہ محصول	اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین شامل ہیں: ۱۔ چند گھنٹے فلاسفہ قدیم کی روجوں کے ساتھ ۲۔ مادیوں کا مذہب ۳۔ حرکت کے کرشمے نہایت مفید و دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول	جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں، یہ فسانہ اپنے پلاٹ اور انشائے کے لحاظ سے اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری جگہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ تازہ ادیشن نہایت صحیح و خوش خط سرورق گرین قیمت بارہ آنہ علاوہ محصول	موفقہ نیاز فچپوری جس کا مطالعہ سے ایک شخص آسانی ہاتھ کی شناخت اور اس کی فکر و فکر کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل سمیت عروج و زوال، موت و حیات، صحت و بیماری، شہرت و نیک نامی پر صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول
مذاکرات نیاز	نقاب ٹھٹھ جانیکے بعد	انتقادیات (دو حصے)	مذہب
پچھلے حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے، ایک بار اس کو شروع کر دینا اخیر تک پڑھ لینا ہے۔ یہ بھی جدید ادیشن ہے جس میں صحت اور نفاست کا قدر و طباعت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ علاوہ محصول	نیاز فچپوری کے تین افسانوں کا مجموعہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے ملک کے بادیانی طریقت و علماء کرام کی اندرونی زندگی کیا ہے اور ان کا وجود ہماری معاشرت و اجتماعی حیات کے لئے کس درجہ سم قاتل ہے زبان پلاٹ و انشائے کے لحاظ سے جو مرتبہ ان افسانوں کا ہے وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے قیمت آٹھ آنہ علاوہ محصول	حضرت نیاز فچپوری کے انتقادی مقالات جو دو حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں وہ مقالات ہیں کی حقیقت کیا ہے اور یہ دنیا میں جن میں خاص خاص شعراء کے کلام کو گرا کر رکھا ہوا۔ اس کے مطالعہ کے بعد انسان خود فیصد کر سکتا ہے کہ مذہب کی پابندی کیا معنی ہے قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول	حضرت نیاز کا وہ معجزہ انوار امت کا جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مذہب کی حقیقت کیا ہے اور یہ دنیا میں جن میں خاص خاص شعراء کے کلام کو گرا کر رکھا ہوا۔ اس کے مطالعہ کے بعد انسان خود فیصد کر سکتا ہے کہ مذہب کی پابندی کیا معنی ہے قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول



”نگار“ کے خاص نمبر

مکتبہ خیریت

جنوری ۱۹۳۹ء	جنوری ۱۹۴۰ء	جنوری ۱۹۴۱ء	جنوری ۱۹۴۲ء	جنوری ۱۹۴۳ء
(مصحفی نمبر)	(تظہیر نمبر)	یہ نمبر دنیا کے تذکرہ میں بالکل پہلی چیز ہے۔ یعنی اس وقت کے تمام مشہور غزل گو شعراء نے خود اپنے حالات لکھے ہیں اور خود اپنے کلام کا انتخاب کیا ہے۔	اس نمبر میں ملک کے پانچ مشہور نقادوں نے ان شاعروں کے کلام پر تبصرہ کیا ہے جن کی غزلوں کا انتخاب جنوری ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا تھا۔	اس نمبر میں ریاض خیر آبادی مرحوم کے کلام پر ملک کے متعدد مشاہیر نے نقد و تبصرہ کر کے بتایا ہے کہ ریاض کی شاعری کیا تھی۔
اس کے بعض عنوانات یہ ہیں: اس کے بعض عنوانات یہ ہیں: اس کے بعض عنوانات یہ ہیں: اس کے بعض عنوانات یہ ہیں: اس کے بعض عنوانات یہ ہیں:	تظہیر کا مسلک	شاعری پر تبصرہ	تظہیر اور عوام	انتخاب کلام مطبوعہ غیر مطبوعہ
قیمت دو روپیہ	قیمت دو روپیہ	قیمت تین روپیہ	قیمت دو روپیہ	قیمت ایک روپیہ
علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول	علاوہ محصول

جنوری ۱۹۴۴ء	جنوری ۱۹۴۵ء	”نگار“ کی قیمت
(جدید شاعری نمبر)	(قرآن نمبر)	سالانہ ہندستان کے اندر پانچ روپیہ
اس میں بتایا گیا ہے کہ جدید رجحانات شاعری کی کیا حقیقت ہے اور آزاد نظم نگاری کا وزن و قافیہ سے بے نیاز ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے	اس میں ڈاکٹر سٹڈل کے ان اعتراضات کو پیش کیا گیا ہے جو مآخذ القرآن کے عنوان سے لکھے گئے ہیں	ششماہی جاری نہیں ہو سکتا
قیمت دو روپیہ علاوہ محصول	قیمت دو روپیہ علاوہ محصول	کسی طرح نہیں مل سکتا۔

کیشن وغیرہ کی مزید تفصیلات — اور قواعد طلب کیجئے —
 جواب کے لئے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے اور خط و کتابت میں اگر نمبر خریداری نہ دیا گیا تو تعمیل دشوار ہے